مُحدّث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

ادارة البحوث الاسلامیة والدعوة والافتاء بالجامعة السلفیة بنارس

★

عدد مسلسل ۳۲ ⊙ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ ⊙ ستمبر ۱۹۸۴ء

AsliAhleSunnet.com

برگ وبار

صفحہ

◎ نقش راہ :

اسلام اور عدم تشدد - مدیر ۳

◎ منہاج نبوت

مردے کی طرف سے قربانی - ابو ہشام اعظمی ۱۲

◎ آئینہ خانہ :

دور حاضر میں اسلام کی تعبیر و تشریح - ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری ۲۰

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رح - مولانا محفوظ الرحمن فیضی ۲۸

◎ آداب :

تمباکو ، بیڑی اور سگریٹ نوشی - خورشید احمد استاد ۳۹
جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال

◎ بزم طلبہ :

اردو نثر کا ارتقاء اور ولی اللہی تحریک - مظہر علی انصاری (متعلم جامعہ) ۴۵

◎ جماعت وجامعہ :

کیرالا میں چند دن ۵۱

◎ تبصرہ :

ایام خلافت راشدہ ۵۶

دلائل ہستی باری تعالی

نجات کی صرف ایک راہ ہے

AsliAhleSunnet.com

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ • ستمبر ۱۹۸۴ء

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس

طابع : عبدالوحید

مطبع : سلفیہ پریس بنارس

کاتب : انور جمال

بدل اشتراک

سالانہ : ۲۵ روپیے

ششماہی : ۱۳ روپیے

فی پرچہ : ۲/۵۰ روپیے

بیرون ملک سے سالانہ : ۱۵ ڈالر

پتہ :-

خط و کتابت کے لیے : ایڈیٹر محدث ، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے : مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

→ MAKTABA SALAFIAH REORITALAB VARANASI-10

ٹیلی گرام : "دارالعلوم" وارانسی • ٹیلی فون : ۶۳۵۷۷

AsliAhleSunnet.com

یادگارِ خلیل

شوق اعظمی

خلیل اللہ یعنی وہ رضائے رب کا دیوانہ
ازل سے مست تھا پی کر مئے وحدت کا پیمانہ

وہی جس کے لیے تھی آتشِ نمرود بھی گلشن
وہی جس نے کیا مسمار باطل کا صنم خانہ

وہ مردِ حق خلیل اللہ کا جس نے لقب پایا
حریم قدس سے جس کو ملا خلّت کا پروانہ

دیا سارے زمانے کو سبق توحید کا جس نے
وہ تھا اہلِ صفا حق آشنا باطل سے بیگانہ

غروبِ شمس سے ذاتِ الوہیت کو پہچانا
حریم قدس کا محرم مئے وحدت کا مستانہ

پکارا اپنے رب کو لا احبُّ الآفلین کہہ کر
ہمیشہ غرق تھا عشقِ الٰہی میں وہ فرزانہ

وہی جس نے کیا نورِ یقیں روشن زمانے میں
وہی جو تھا محیطِ معرفت کا دُرِّ یکدانہ

کیا قربان بیٹے کو فقط ادنیٰ اشارے پر
نہ دیکھا اس سے بہتر بارگاہِ حق میں نذرانہ

رضائے رب کے آگے سر فگندہ ہو گئے دونوں
پدر تھا حق کا شیدائی پسر بھی رب کا دیوانہ

جگر کا خون ہو جائے اسی میں لطف آتا ہے
محبت کا تقاضا سب سے ہوتا ہے جداگانہ

اسی کی یادگار اب تک ہے باقی بزمِ دنیا میں
اسی کی یاد میں اے شوقؔ ہے یہ عید سالانہ!

AsliAhleSunnet.com

نقش راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عدم تشدد

بنارس راجگھاٹ کے پاس گنگا اور برنا ندی کے سنگم پر گاندھی جی کے فلسفہ کی تشہیر و تبلیغ کیلیے گاندھین انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے، جہاں دیگر پروگراموں کے علاوہ وقتاً فوقتاً مقررہ عنوانات پر تقریریں بھی کرائی جاتی ہیں۔ ۹ر اگست ۸۴ء کو مذکورہ عنوان پر ایڈیٹر محدث سے تقریر کرائی گئی۔ ذیل میں اس تقریر کی ایک قسط پیش کی جارہی ہے۔،، (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم،

امابعد! میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گاندھی جی کے ایک اصول کے تعلق سے ہنسا اور اہنسا یا تشدد اور عدم تشدد کا لفظ بار بار سنا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ڈکشنری میں اس لفظ کا جو معنی آتا ہے گاندھی جی اسی معنی میں اہنسا کو مانتے تھے یا ان کے یہاں اس کے کچھ اصول، ضابطے، شرطیں اور حدیں بھی تھیں۔ لیکن آج کی مجلس میں مجھے اس کی تلاش بھی نہیں۔ بلکہ مجھے ہنسا اور اہنسا کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کرنی ہے البتہ اصل معاملے پر کچھ کہنے سے پہلے ایک بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ دین فطرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر جو تقاضے رکھے گئے ہیں۔ اسلام نے ان سب کی رعایت کی ہے، یعنی انھیں کچل کر ختم نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لیے ایسا صحیح راستہ بتایا ہے کہ

AsliAhleSunnet.com

انسان کی فطرت کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں اور انسانی سماج میں اس سے کوئی برائی بھی جنم نہ لے، بلکہ انسانی سماج کو فائدہ ہی پہنچے۔

اس بات کو سامنے رکھ کر پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تشدد اور عدم تشدد کے بارے میں انسان کی فطرت کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کی جان ماری جائے، اس کے ہاتھ پاؤں توڑے جائیں، اسے مارا پیٹا جائے، یا اس کا دھن دولت چھین لیا جائے یا اسے بے عزت کیا جائے، مثلاً اسے گالی دی جائے، اس پر کوئی برا الزام لگایا جائے۔ اور انسانی سوسائٹی میں اسے رسوا کیا جائے۔ یعنی ہر انسان اپنی تین چیزوں کا بچاؤ چاہتا ہے، ایک یہ کہ اس کا جسم اور جان محفوظ رہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا مال محفوظ رہے اور تیسرے یہ کہ اس کی عزت محفوظ رہے۔ یہ انسان کی فطرت رہی ہے۔

مگر یہ انسان کی فطرت کا صرف ایک پہلو ہے، اس کے علاوہ ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی انسان کو جان سے مار ڈالا جائے تو اس کے باپ بیٹے اور گھرانے کے لوگ یہی چاہیں گے کہ مارنے والے سے اس کا بدلہ لیں۔ یہ لوگ چاہے جتنے بھی کمزور ہوں اور مارنے والے جتنے بھی طاقتور ہوں۔ مگر جہاں تک ہو سکے گا بدلہ لینے کی کوشش اور جتن کریں گے اور اگر حالات سے مجبور ہو کر چپ سادھ بھی لیں تو ان کے دل میں اس کی حسرت اور کسک برابر باقی رہے گی اور انھیں ذرا بھی چھیڑ دیجیے تو اپنا دکھڑا نا شروع کر دیں گے اور دل کی آہ زبان پر آجائے گی۔ لیکن اگر بدلہ مل جائے تو ان کے دل میں حسرت نہیں رہ جائے گی۔ بلکہ انھیں اطمینان ہو جائے گا کہ انصاف مل گیا۔

یہی صورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی کا ہاتھ پاؤں توڑ دیا جائے یا اسے مارا پیٹا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے۔ یہ مظلوم جب تک ظالم سے بدلہ نہ لے لے اسے چین نہیں ملتا اور اس کی آہ نہیں جاتی اسی طرح کوئی کسی کو گالی دیدے، یا مثلاً اس کی ماں پر تہمت لگا دے یا اور کسی ذریعہ سے بے عزت کر دے تو وہ اسے آسانی سے برداشت نہیں کر سکتا، بلکہ جوابی کارروائی کرے گا اور اگر نہ کر سکا تو کڑھ کڑھ کر رہے گا اور من ہی من میں گالیاں دے گا، یہ ایسی حقیقتیں ہیں جنھیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں انسان کی فطرت یہ ہے کہ اس کا جسم وجان، مال و دولت اور عزت وآبرو محفوظ رہے، وہیں انسان کی فطرت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ان تینوں میں سے کسی ایک چیز پر حملہ کر دے تو

AsliAhleSunnet.com

اس سے بدلہ لیا جائے اور اگر وہ خود بدلہ نہ لے سکے تو اس کو بدلا دلایا جائے۔ اس لیے اگر انسانی سماج کو کوئی ایسا نظام دیا جائے جس میں انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہو تو وہ نظام تو کامیابی سے چل سکتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا نظام بنایا جائے جس میں ان دونوں میں سے کسی ایک بھی پہلو کو چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ نظام فیل ہو جائے گا۔ اور کسی قیمت پر نہیں چل سکے گا۔

اس وضاحت کے بعد اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس نے انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی پوری پوری رعایت کی ہے۔ یعنی آپ پہلے پہلو کو لیجیے تو اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی شخص کسی کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کرے۔ بلکہ اسلام نے نہایت سختی سے اس کی ممانعت کی ہے اور اسے بہت ہی بُرا اور گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔ میں اس بارے میں اسلام کی اصل کتاب قرآن مجید اور حدیث سے دو تین حوالے پیش کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کے نزدیک ان جرائم کی حیثیت کیا ہے۔ قرآن میں پچھلے زمانے کی ایک قوم کا ذکر کرتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے:

انہ من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً۔

(سورہ مائدہ)

یعنی جس نے کسی ایک جان کو بھی قتل کر دیا اور ایسا نہ تو کسی جان کے بدلہ لینے کے لیے کیا اور نہ زمین میں پھیلے ہوئے فساد سے نمٹنے کے لیے کیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ بچا لیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو زندہ بچا لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی شروعات کے طور پر کسی ایک بھی آدمی کو قتل کرے تو وہ اتنا بڑا مجرم ہے کہ گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، کیونکہ اس نے انسان کے قتل کا دروازہ کھولا۔ یہ ہے اسلام میں انسانی جان کا احترام۔

اسی طرح اسلام میں دوسرے کا مال کھانا بھی سخت حرام ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جائداد کا مقدمہ آیا۔ آپ نے سمجھایا کہ دیکھو میں بھی انسان ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی کے زورِ بیان کی وجہ سے اس کو ڈگری دیدوں اور حقیقت میں مال اس کا نہ ہو تو پھر سن لو کہ میں اسے

AsliAhleSunnet.com

آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کورٹ سے ڈگری بھی مل جائے تب بھی دوسرے کا مال کھانا اسلام کی نظر میں حرام اور نہایت ہی خطرناک جرم ہے۔ ایسا آدمی اس دنیا میں اگر بچ بھی جائے تو اُس دنیا میں نہیں بچ سکتا۔

اب آدمی کی عزت و آبرو کا معاملہ لیجیے۔ اسلام میں اس کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ پیچھے دو آدمیوں نے آپس میں باتیں کرتے کرتے ایک آدمی کو جو ایک سزا میں مارا گیا تھا، کتا کہہ دیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں یہ آواز پڑ گئی۔ آپ تھوڑی دور گئے تو دیکھا کہ ایک گدھا مرا پڑا ہے اور اتنا پھول گیا ہے کہ ٹانگیں تن گئی ہیں، آپ رک گئے اور ان دونوں سے کہا جاؤ اس گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے کہ آخر ہم سے کیا جرم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ابھی تم دونوں نے ایک آدمی کو جو کتا کہا تو وہ اس سڑے ہوئے گدھے کی لاش کھانے سے بھی زیادہ برا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی عزت پر بٹہ لگانا اسلام میں کتنا بڑا جرم ہے۔

ابتک کی گفتگو اس پہلو سے تھی کہ اسلام میں کسی کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کرنے کی قطعاً اجازت اور گنجائش نہیں، لیکن اگر کوئی آدمی اس ممانعت کے باوجود کسی کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کر بیٹھے تو اسلامی حکم یہ ہے کہ حملہ آور کو ایسی سزا دی جائے کہ مظلوم کو پورا پورا بدلہ مل جائے، لیکن حملہ کرنے والے پر ظلم بھی نہ ہو۔ یعنی اس نے جتنا بڑا جرم کیا ہے اس سے بڑی سزا نہ دی جائے۔ اس بارے میں یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ عدالت اور کورٹ کو یا ملک کے سربراہ کو مثلاً صدر، راشٹرپتی، راجا، بادشاہ، گورنر جنرل وغیرہ کو اس بات کا کوئی اختیار نہ ہوگا کہ ایسے مجرم کی سزا معاف کر دیں یا کم کر دیں بلکہ یہ اختیار صرف ان لوگوں کو ہوگا جن پر حملہ اور ظلم کیا گیا ہو۔

بیجا نہ ہوگا کہ اس موقع پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ ان جرائم کی اسلامی سزا کیا ہے۔ سزا یہ ہے کہ قاتل نے اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو اس پر بھاری مالی تاوان لگایا جائے اور تاوان مقتول کے گھر والوں کو دیا جائے۔ اگر کسی نے کسی پر حملہ کیا ہے تو حملہ آور نے جیسی چوٹ لگائی ہے اسے بھی ویسی ہی چوٹ لگائی جائے یا چوٹ کی نوعیت کے لحاظ سے کڑا مالی تاوان لگایا جائے، کسی نے کسی کا مال چوری کیا ہے تو کچھ خاص شرطیں پوری ہونے کی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹ لیا جائے ورنہ جج اپنی صوابدید سے مناسب سزا دے، اور مال برآمد ہو جائے تو اسے اصل مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی

AsliAhleSunnet.com

عزت پر بٹہ لگایا ہے تو ملزم کی حالت کا اندازہ کر کے جج کوئی ایسی سزا دے کہ ملزم آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔
ہاں اگر کوئی شخص کسی بدمعاش یا ڈکیت سے اپنی جان یا مال یا آبرو کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو وہ مظلوم ہے، لیکن اگر وہ خود حملہ آور کو مار ڈالے تو ظالم نہیں ہے، لہذا اس سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ دونوں کے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد دہراتا ہوں۔ ایک بار آپ نے فرمایا: جو اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی آبرو بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۰۵)

اور ایک بار ایک آدمی نے آ کر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بتایئے کہ اگر کوئی آدمی آ کر میرا مال چھیننے لگے تو ...؟ آپ نے فرمایا: اسے اپنا مال نہ دو، اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑائی کر بیٹھے تو؟ آپ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑ جاؤ، اس نے کہا اگر وہ مجھے قتل کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: تم شہید ہو گئے۔ اس نے کہا اگر میں اسے قتل کر دوں تو؟ آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ (صحیح مسلم مشکوٰۃ ص ۳۰۵)

ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اپنا بچاؤ کرنا ہر شخص کا حق ہے۔ اگر بچاؤ کرنے والا خود مارا گیا تو مظلوم ہے اور حملہ آور سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ لیکن اگر حملہ آور مارا گیا تو وہ ظالم تھا اس لیے اس کا خون رائیگاں جائے گا اور بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

یہاں اسلامی قانون کے ایک ایک ٹکڑے کی تفصیل بتانے کی گنجائش نہیں، مختصر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں کوئی بھی آدمی مظلوم مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا اگر کسی بھی طرح قاتل کا پتہ نہ چل سکا تو مقررہ مالی تاوان حکومت کے خزانے سے دیا جائے گا۔

ابتک کی گزارشات کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام تشدد شروع کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جو تشدد کرے، اسے آزاد بھی نہیں چھوڑتا اور نہ معمولی سزائیں دے کر اس کی ہمت کو بڑھا دلانے کا موقع دیتا ہے بلکہ جیسا جرم ہے ٹھیک اسی کے مطابق سزا دیتا ہے اور اس طرح تشدد کی جڑ کاٹتا رہتا ہے۔ دراصل پوری انسانی تاریخ کا تجربہ ہے کہ انسانی سماج سے اس طرح کے جرائم کبھی بھی ایکدم ختم نہیں ہو جاتے، مجرم انسان ہمیشہ پائے گئے ہیں اور ہمیشہ پائے جائیں گے، اس لیے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ سزا اتنی کڑی دی جائے کہ ایسے جرائم کم سے کم ہو کر نہیں کے برابر رہ جائیں۔

AsliAhleSunnet.com

کڑی سزا کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور نرم سزا کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا پتہ مختلف ملکوں میں ہونے والے جرائم کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ امریکہ اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار و پاسبان اور تہذیب و تمدن کا لیڈر کہتا ہے مگر وہاں کے جرائم کے متعلق سات سال پہلے کی رپورٹ یہ ہے کہ:

امریکہ میں ہر ۲۴ منٹ میں ایک قتل، ہر ۱۹ منٹ میں ایک عورت کا جبری اغوا، ہر دو منٹ میں ایک چوری ہر بیس سکنڈ میں گھر پر حملہ، ہر ۴۸ سکنڈ میں بس یا کار پر حملہ اور ہر بیس سکنڈ میں ایک ڈاکہ کا کیس پیش آتا ہے۔ یہ سات سال پہلے کی رپورٹ ہے، اب ان جرائم میں کچھ اور اضافہ ہوا ہے اس کے برعکس سعودی عرب کو دیکھیے جہاں اسلامی سزائیں نافذ ہیں جنھیں موجودہ علمبرداران تہذیب کڑی ہی نہیں وحشیانہ بھی کہتے ہیں۔ ان سزاؤں کے نفاذ کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سال کے سال گزر جاتے ہیں، اور قتل اور چوری ڈاکے وغیرہ کی شاید باید ہی کوئی واردات ہوتی ہے اور وہ بھی عموماً باہری لوگوں کے ہاتھوں۔

آیئے ذرا اس معاملے کا جائزہ اس پہلو سے بھی لیں کہ امریکہ کے دور اندیش شہری اپنے یہاں کی مذکورہ صورتحال کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اور ان کے نقطۂ نظر سے اس کا علاج کیا ہے؟ - چند سال پہلے کی بات ہے کہ پاکستان میں کچھ اخلاقی مجرموں کو مجمع عام میں کوڑوں کی سزا دی گئی، اس پر نیویارک ٹائمز نے استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کیا اور اس موضوع پر اپنے یہاں مراسلات کا ایک کالم کھول دیا۔ اس کالم میں شکاگو کی رہنے والی ایک امریکن خاتون۔ ایلا شرائم کا بھی ایک خط چھپا، وہ لکھتی ہیں:

"اسلام کے عدل و انصاف کے نام پر یہی میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی اس قسم کی سزا کو رائج کرنا چاہیے جو فوری اور سنگین طور پر مجرموں کی گوشمالی کر سکے۔ اگر ہمارے یہاں اس قسم کا نظام رائج ہو تو ہم بھی آبرو ریزی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے خوف سے بے نیاز ہو کر کوچہ و بازار میں چل پھر سکیں اور ممکن ہے ہمارے جیل خانے مجرموں سے اتنا نہ بھریں جتنا آجکل بھرے ہوتے ہیں۔" (سیاست جدید کانپور ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ آج کل کا ہے۔ کویت کی ایک خاتون جن کا نام ام المثنیٰ ہے، کچھ دنوں امریکہ میں رہیں۔ ان کا ایک تازہ بیان کویت کے ایک مشہور ہفت روزہ رسالہ المجتمع نے ۷ ار جولائی ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"امریکہ میں اپنے قیام کے دوران کچھ دنوں کے لیے میں ایک ہسپتال میں بھرتی ہوئی، وہاں ایک

AsliAhleSunnet.com

امریکن نرس سے میرا میل جول بڑھ گیا، چونکہ میں پابندی سے اسلامی چادر اوڑھتی تھی، اس لیے وہ مجھ سے بار بار میرے ملک اور میرے مذہب کے بارے میں پوچھتی رہتی تھی۔ ایک دن اس نے مجھ سے اسلامی سزاؤں کے بارے میں پوچھا کہ یہ سزائیں کیا ہیں؟ میں نے کہا قاتل کو قتل کر دیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ حرام کاری کرنے والے کو پتھر مار کر ختم کر دیا جائے یا کوڑے مارے جائیں ... اور ... یہ سن کر اس نے بڑی حیرت اور خوشی ظاہر کی۔ کہنے لگی میری آرزو ہے کہ میرے ملک میں بھی اسلامی شریعت لاگو کی جائے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آیا آپ کے ملک میں یہ سزائیں دی جاتی ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بعض لوگ انھیں موجودہ زمانہ کے لائق نہیں سمجھتے اور خلافِ تہذیب مانتے ہیں۔

پھر میں نے اس سے کہا: مجھے تعجب ہے کہ تم اسلامی شریعت کو لاگو کرنے کے بارے میں اتنی گرمجوش کیوں ہو۔ جب کہ خود میرے ملک کے بعض لوگ اس پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جو شخص اتنی بہترین سزاؤں کو نشانہ بناتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، ہم لوگ اپنے ملک میں قتل، چوری، ڈکیتی، اغوا وغیرہ کے روزمرہ بے انتہا جرائم کی وجہ سے امن وامان کی بربادی اور لاقانونیت کی کڑی سزا جھیل رہے ہیں اور ان جرائم کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ کافی ثبوت مہیا ہوجانے کے بعد بھی مجرموں کو کوئی ایسی کڑی سزا نہیں دی جاتی کہ وہ آئندہ جرم کرنے کی ہمت نہ کریں۔

اس کے بعد اس نرس نے بتایا کہ اس کا شوہر پولیس میں ہے اور اس محلے کی وجہ سے سخت مشکل سے دوچار رہتا ہے، کیونکہ مجرم کو پکڑنے کے لیے پولیس یونٹ جس قدر محنت ومشقت کرتی ہے ان سب پر اس وقت پانی پھر جاتا ہے جب جج اس کو بے گناہ قرار دیدیتا ہے یا معمولی سزا دیکر چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے مجرموں کی ہمت اور بڑھ جاتی ہے اور وہ نئے سرے سے جرم کرکے شہریوں کا امن وامان تہ وبالا کرتے رہتے ہیں۔

یہ باتیں کہتے کہتے وہ نرس اداس ہوگئی اور رخصت ہونے سے پہلے بولی: تمھارے ملک کے جو لوگ ان سزاؤں کو لاگو کرنے کی مخالفت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، انھیں چاہیے کہ ہمارے ملک کی جو درگت بن چکی ہے اس سے سبق سیکھیں اور اپنے ملک میں اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی

AsliAhleSunnet.com

ان سزاؤں کو لاگو کروادیں ۔"

دور کیوں جایئے اپنے ملک میں باغپت (ضلع میرٹھ) میں آج جو حادثہ پیش آیا تھا کہ پولیس نے ایک عورت کو ننگا کرکے گھمایا تھا اور اس پر سخت ہیجان پھیل گیا تھا ۔ اس کے بعد اچھے اچھے ماہرین قانون نے یہ رائے دی تھی کہ عورتوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے والوں کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اس طرح کے کیس بند کمرے میں سنے جائیں اور عورتوں سے بیان لینے والی جج عورتیں ہوں ۔

سسوا بازار (ضلع گورکھپور)، اسی طرح دیوریا اور بستی ضلع کے بعض بعض دیہاتوں میں پولیس نے جس بے دردی سے عورتوں کی آبرو لوٹی، بیلچھی اور دوسری جگہوں پر جس سنگدلی کے ساتھ ہریجنوں کو اور جبل پور بھیونڈی وغیرہ میں مسلمانوں کو آگ کے اندر زندہ جلایا گیا، مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے ملک میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے مجرموں کو کڑی سزائیں دی جاتیں تو بڑے سے بڑا سورما بھی جیوروں اور نہتوں پر اس طرح کا ظلم کرنے کی ہمت نہ کرتا ۔ کڑی سزاؤں سے صرف بڑے بڑے جرائم ہی بند نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے چھوٹے جرائم بھی ختم ہو جاتے ہیں ۔ سعودی عرب میں جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے، میں نے خود دیکھا کہ دکان کے نمونہ کا سامان رات بھر سڑک کے کنارے دکان کے باہر لٹکتا رہتا ہے، مگر کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی ۔ دوکان کھلی چھوڑ کر لوگ نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں، مگر ایک معمولی سا سامان بھی غائب نہیں ہوتا ۔ دنیا بھر کی کرنسیاں بدلنے والوں کی دوکان کے پھاٹکوں پر ہر طرف نوٹوں کی گڈیاں اس طرح لگی رہتی ہیں کہ ہمارے یہاں پان کی دوکان والے بھی اس سے زیادہ احتیاط سے رہتے ہیں ۔ مگر اس کے باوجود ایک نوٹ بھی غائب نہیں ہوتا ۔ لوگ بینکوں سے لاکھوں لاکھ کے نوٹوں کی گڈیاں اس طرح مٹھی میں لے کر چلتے ہیں جیسے مولی ترکاری لے جا رہے ہوں ۔ مگر مجال نہیں کہ کوئی بری نیت سے تاک دے ۔ عورتیں دن یا رات میں کسی بھی وقت کہیں بھی جا رہی ہوں، انھیں کوئی خطرہ نہیں ۔

ہمارے سامنے پڑوس کے ملک پاکستان کی تازہ مثالیں موجود ہیں ۔ جنرل ضیاء الحق نے جب پہلی بار اعلان کیا کہ اب پاکستان میں اسلامی سزا لاگو ہوگی اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو اس کے ایک مہینے کے بعد قومی آواز لکھنؤ میں ایک چھوٹی سی خبر پڑھی کہ پہلے شہر کراچی میں ہر رات ۲۷ چوریاں ہوتی تھیں جن میں سے اکثر چوریاں بہت بڑی ہوا کرتی تھیں ۔ مگر جنرل ضیاء کے مذکورہ اعلان کے بعد ۲۷ روز میں صرف ۷ چوریاں ہوئیں اور وہ بھی بہت معمولی قسم کی ۔

AsliAhleSunnet.com

اسی طرح جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے شروع دنوں کی بات ہے۔ تین بدمعاشوں نے مل کر سات آٹھ سال کے ایک بچے کو اغوا کیا، اور اس کے باپ کو فون پر نوٹس دی کہ فلاں دن فلاں جگہ غالباً چالیس ہزار روپئے پہنچا دو ورنہ بچے کو قتل کر دیا جائے گا۔ بیٹا بیٹا ہی ہوتا ہے، اس کے سامنے روپئے پیسے دھن دولت کی کیا حیثیت؟ باپ نے روپئے بھجوا دیئے، مگر کوئی لینے نہ آیا، اور پھر بچے کی لاش پائی گئی۔ خفیہ پولیس مجرموں کی تلاش میں لگی ہی آخر تینوں پکڑے گئے، عدالت سے پھانسی کا فیصلہ ہوا، اور تینوں کو لاہور کے ایک چوراہے پر پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا اور لوگوں کے دیکھنے کے لیے دیر تک لٹکتا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد یہ حال ہوا کہ جیسے دوسرے بدمعاشوں کی ہمت ہی جواب دے گئی ہو۔

اس طرح کی مثالیں تو بہت سی ہیں، مگر ہم مثالوں کے بجائے نتائج کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، نتائج یہ ہیں کہ کڑی سزا دیجیے تو جرائم گھٹ کر نہیں کے برابر رہ جاتے ہیں اور سزا نرم کر دیجیے تو لاکھوں اور کروڑوں تک جا پہنچتے ہیں۔ امریکہ میں جرائم کے جو اعداد و شمار بتلائے گئے ہیں[1] ان کا سالانہ حساب جوڑیے تو معلوم ہوگا کہ وہاں سال بھر میں ۱۲،۲۲۳ آدمی مارے جاتے ہیں۔ ۲۷،۳۹۸ عورتیں زبردستی اٹھا لے جائی جاتی ہیں، ۶،۶۲،۸۰۰ چوریاں ہوتی ہیں۔ ۱۵،۷۶،۸۰۰ ڈاکے پڑتے ہیں اور گھروں، کاروں، بسوں پر ۴۳،۶۵،۲۰۰ حملے ہوتے ہیں۔ یعنی مجموعی طور پر سال بھر میں ۶۶،۴۴،۴۲۱ حادثے ہوتے ہیں۔ اور یہ کھلی بات ہے کہ اسی حساب سے خونی، ڈاکو، چور اور مجرم بھی تیار ہوتے ہیں۔

اب سوچیے کہ تشدد کو روکنے اور پبلک کو سکھ چین پہنچانے کے لیے یہ نظام اچھا ہے یا سعودی عرب جیسا وہ نظام جس کے نتیجے میں قاتل مقتول دونوں کو ملا کر مشکل سے دو چار جانیں جاتی ہیں اور مشکل سے چوری وغیرہ کے دس پانچ حادثے ہوتے ہیں اور خونی، ڈکیت، چور وغیرہ تیار ہی نہیں ہونے پاتے، بلکہ فوراً ہی ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

اگر دنیا کو تشدد سے بچنا ہے تو اس پہلو پر کھلے دل سے سوچنا پڑے گا۔

• • •

[1] ایک دو سال پہلے کی رپورٹ میں سالانہ قتل کی واردات ایک لاکھ بتائی گئی ہے

AsliAhleSunnet.com

مردے کی طرف سے قربانی

ابوھشام اعظمی

محدث ماہ اکتوبر ۱۹۸۳ء کے شمارے میں ایصالِ ثواب سے متعلق ایک فتویٰ کے ضمن میں میت کی طرف سے قربانی کے جواز کا بھی ذکر آیا تھا پھر اس پر کئی سمتوں سے سوالات کیے گئے۔ عید الضحیٰ کی مناسبت سے ان سوالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مسئلے کی وضاحت کی جارہی ہے۔ واللہ الموفق

میت کی طرف سے قربانی درست ہے یا بے فائدہ؟ اس بارے میں علماء امت کی دو رائیں ہیں۔ عام علماء نے درست مانا ہے، اور کچھ لوگ اس کے قائل نہیں۔ درست ماننے والوں نے دو مضمون کی روایتوں سے استدلال کیا ہے ایک مضمون کی دو روایتیں یہ ہیں:

(۱) عن ابی رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین فاذا صلی وخطب الناس اتی باحدھما وھو قائم فی مصلاہ فذبحہ بنفسہ بالمدیۃ ثم یقول اللھم ھذا عن امتی جمیعا من شھد لک بالتوحید و شھد لی بالبلاغ ثم یؤتی بالآخر فیذبحہ بنفسہ فیقول ھذا عن محمد وآل محمد فیطعمھما جمیعا المساکین ویاکل ھو واھلہ منھما۔ (مسند احمد)

یعنی ابو رافع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قربانی کرنی ہوتی تو دو موٹے سینگدار چتکبرے مینڈھے خریدتے، جب نماز پڑھ لیتے اور لوگوں کو خطبہ دے لیتے تو ایک مینڈھا لایا جاتا اور آپ اپنی نماز گاہ میں کھڑے موجود ہوتے، اسے خود چھری سے ذبح کرتے اور فرماتے اے اللہ یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جس نے تیرے لیے توحید کی اور میرے لیے تبلیغ کی کی شہادت دی ہے۔ پھر دوسرا مینڈھا لایا جاتا، اسے بھی آپ خود ہی ذبح فرماتے، پھر کہتے، یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے۔ پھر دونوں مینڈھوں میں سے مسکینوں کو بھی کھلاتے اور خود

AsliAhleSunnet.com

آپ اور آپ کے اہل و عیال بھی کھاتے۔

(۲) دوسری روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے اور مختصر ہے، الفاظ یہ ہیں: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی اشتری کبشین عظیمین سمینین اقرنین املحین موجوءین فذبح احدھما عن امتہ من شھد للہ بالتوحید وشھد لہ بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سنن ابن ماجہ ۲/۱۰۴۳)

یعنی رسول اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو زبردست، موٹے، سینگدار، چتکبرے خصی کیے ہوئے مینڈھے خریدتے پھر ان میں سے ایک کو اپنی امت کی طرف سے یعنی ان لوگوں کی طرف سے ذبح فرماتے جنھوں نے اللہ کے لیے توحید کی اور آپ کے لیے تبلیغ کی شہادت دی ہے اور دوسرا محمد اور آل محمد کی طرف سے ذبح کرتے۔

ان روایتوں سے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جانور اپنی اس پوری امت کی طرف سے ذبح کیا تھا جو اس وقت تک توحید و رسالت کی شہادت دے چکی تھی اور معلوم ہے کہ اس میں ایسے افراد کی بھی ایک معتبر تعداد تھی جو اس دنیا سے گزر چکے تھے۔ لہٰذا آپ کا یہ قربانی امت کے اس وقت کے موجودہ افراد کے علاوہ ان مردہ افراد کی طرف سے بھی ہوئی۔ پس مردے کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔

اس استدلال پر عموماً دو اعتراض کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قربانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ دوسرے یہ کہ اس قربانی میں زندہ اور مردہ دونوں کو شریک کیا گیا تھا۔ اس لیے زندوں کو شامل کیے بغیر صرف مردے کی طرف سے قربانی کی مشروعیت ان دونوں روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو ان دونوں اعتراضات میں کچھ زیادہ وزن نہیں ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قربانی ہر اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ صرف اس اعتبار سے مخصوص تھی کہ یہ پوری امت کی طرف سے کی گئی تھی۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخص پوری امت کی طرف سے ایک مینڈھے کی قربانی نہیں کر سکتا۔ باقی رہے دوسرے اعتبارات، اور دوسرے پہلو مثلاً یہ کہ اس سے فی الجملہ مردوں کی طرف سے بھی قربانی کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیے جانے کی نہ کوئی وجہ ہے، نہ دلیل، لہٰذا اسے آپ کے ساتھ مخصوص نہیں مانا جائے گا۔ جس طرح زندوں کی طرف سے قربانی کرنے کو آپ کے ساتھ مخصوص نہیں مانا گیا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

حالانکہ وہ بھی آپ کی اس قربانی کا ایک پہلو ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اتنی بات مسلم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ قربانی میں زندوں اور مردوں دونوں کو شریک کیا گیا تھا، لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اور نہ دور دور تک اس کا کہیں اتہ پتہ یا اشارہ ہی موجود ہے کہ زندوں کو اس لیے شریک کیا گیا تھا کہ ان کو شریک کیے بغیر مردوں کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی لہذا اس کو شرط قرار دیے جانے کی جب تک کوئی دلیل فراہم نہ کردی جائے اس وقت تک اسے بطور شرط قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ صرف امر واقعہ کی حیثیت سے اس کیفیت کے وجود کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی کام اصولاً ناجائز ہو لیکن کسی مخصوص حالت وکیفیت میں شارع سے اس پر عمل کا ثبوت مل جائے تو وہ کام عام حالات میں ناجائز اور اس مخصوص حالت وکیفیت میں جائز ہوگا لیکن اگر کوئی کام اصولاً ناجائز نہیں ہے تو شارع نے جس کیفیت کے ساتھ اس پر عمل کیا ہے۔ اس کیفیت کو اس کام کے جائز ہونے کے لیے شرط اور قید احترازی نہیں قرار دیں گے۔ سوائے اس صورت کے کہ کوئی قرینہ یا دلیل موجود ہو۔ اس بات کو زیر بحث روایتوں ہی سے سمجھ لیجیے! کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دوسرا مینڈھا اپنی طرف سے ذبح کرتے تھے اس میں اپنے گھروالوں کو بھی شامل کرتے تھے، لیکن اس کا کوئی شخص قائل نہیں کہ اگر قربانی کرنے والا اپنے گھروالوں کو شامل نہ کرے تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

بالکل اسی طرح چونکہ مردے کی طرف سے قربانی کرنا اصول شریعت کے خلاف نہیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مینڈھے کی قربانی میں جو زندوں اور مردوں دونوں کو شریک کرتے تھے، اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ مردوں کی طرف سے کی جانیوالی قربانی میں زندوں کو شریک نہ کیا جائے تو وہ قربانی درست نہ ہوگی بلکہ زندہ اور مردہ دونوں کا شریک کرنا محض قربانی کی ایک شکل ہے، قربانی کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔ یاد رہے کہ قربانی زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے مشترکہ طور پر کریں یا صرف مردہ کی طرف سے کریں دونوں صورتوں میں، کوئی جوہری فرق نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں ذبح برائے تقرب جو ایک فعل ثواب ہے اس کا ثواب مردے کو پہنچانا مقصود رہے۔

ان روایات کے سلسلے میں محاکم شرعیہ قطر کے رئیس شیخ عبداللہ بن زید المحمود نے مزید دو باتیں کہی ہیں۔ جن کا حوالہ مردے کی طرف سے قربانی کی ممانعت کے سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ (۱)

AsliAhleSunnet.com

شیخ کی ایک بات یہ ہے، کہ زیر بحث قربانی زندوں اور مردوں کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کی طرف سے بھی تھی جو اس وقت اپنے باپ دادا کی پشت میں نطفہ تھے اور معلوم ہے کہ آئندہ پیدا ہونے والوں کی طرف سے قربانی کی مشروعیت کا کوئی قائل نہیں۔ لہذا یہ قربانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہوئی، اور اس سے امت کے لیے مردے کی طرف سے قربانی کرنے کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔

لیکن ہم نے اوپر جو لکھا ہے اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شیخ کا استدلال صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو یہ ہی صحیح نہیں کہ اس قربانی میں قیامت تک پیدا ہونے والوں کو شریک کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ یہ تھا۔ اللھم ھذا عن امتی جمیعا من شھد لک بالتوحید الخ۔ اس میں لفظ شھد فعل ماضی ہے جس کا تعلق صرف گزشتہ زمانہ سے ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے وہ قربانی امت کے صرف ان سارے افراد کی طرف سے کی تھی جو اس وقت تک توحید و رسالت کی شہادت دے چکے تھے۔ باقی رہے وہ افراد جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو یہ قربانی ان کی طرف سے نہیں تھی۔

ثانیاً بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں قیامت تک پیدا ہونیوالوں کو شریک کر لیا گیا تھا تو اس قربانی کے اس پہلو کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ماننے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ مردے کی طرف قربانی کی مشروعیت کے پہلو کو بھی آپ کے ساتھ مخصوص مانا جائے۔

شیخ نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے کوئی مینڈھا تنہا اور علی السبیل الانفراد امت کی طرف سے ذبح نہیں کیا تھا بلکہ دونوں مینڈھے اصلاً اپنی طرف سے قربان کیے تھے اور تبعاً وضمناً ایک میں امت کو اور ایک میں اپنے اہل وعیال کو شریک کر لیا تھا، اور جو چیز ضمناً وتبعاً صحیح ہو ضروری نہیں کہ وہ اصلاً اور مستقلاً بھی صحیح ہو۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ عمل براہ راست اور بحیثیت اصل مردے کی طرف سے قربانی کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس سے بس اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اصلاً اپنی طرف سے جانور قربان کرے اور اس میں ضمناً مردے کی شمولیت کی نیت کر لے تو ایسا کر سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابتدائے مضمون میں مسند احمد اور ابن ماجہ کی جو دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں ان دونوں میں یہ دوٹوک صراحت ہے کہ آپ نے ایک مینڈھا اپنی امت کی طرف سے اور دوسرا مینڈھا اپنی اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے ذبح کیا تھا۔ اور اس صراحت سے شیخ کا مذکورہ دعویٰ اور اس پر مبنی اعتراض اور

AsliAhleSunnet.com

نکتہ دونوں ہی لغو ہو جاتے ہیں۔

یہ وضاحت بھی بیجا نہ ہوگی کہ شیخ نے یہاں سخت غفلت سے کام لیا ہے۔ موصوف نے اپنے مذکورہ دعویٰ کے ثبوت میں مسند احمد کی روایت نقل فرمائی ہے۔ مگر اس میں: اللھم ھذا عن امتی جمیعاً والی عبارت میں عن امتی سے پہلے لفظ یعنی خود بڑھا دیا اور اسی سے ثابت کیا ہے کہ یہ قربانی اصلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی۔ حالانکہ لفظ یعنی جس پر شیخ کے دعویٰ کے ثبوت کا سارا دار و مدار ہے مسند احمد کی اس روایت میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ مگر ستم ظریفی دیکھیے کہ شیخ نے اسے اپنی طرف سے بڑھا کر نہ صرف یہ کہ اس پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی کی ہے بلکہ اسی بنیاد پر مولانا شمس الحق ڈیانوی کو مطعون کیا ہے کہ انھوں نے حدیث کی اصل عبارت دیکھے بغیر استدلال کر لیا۔ حالانکہ شیخ نے خود یا تو حدیث کی اصل عبارت نہیں دیکھی یا دیکھی تو اس میں ان سے چوک یا غفلت ہوئی۔

"مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات"، تو شیخ کے چند اور "کمالات علمیہ" سن لیجیے۔ غنیۃ الالمعی جو میت کی طرف سے قربانی کے ثبوت میں مولانا ڈیانوی کی نہایت مفید تالیف ہے، شیخ نے اسے علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ کی تالیف بتایا ہے جبکہ ان کی تالیف کا نام غنیۃ الالمعی ہے، جو نصب الرایہ مصری کے اخیر میں چھپی ہے اور اس پر طرہ یہ کہ شیخ نے پوری بے نیازی کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے صاحب غنیۃ الالمعی نے اس سلسلے کی اصل نصوص نہیں دیکھیں اور عام فقہاء کی طرح حقیقت جانے بغیر محض لوگوں سے سنے سنائے الفاظ پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھ دی۔ حالانکہ مولانا ڈیانوی نے غنیۃ الالمعی میں زیر بحث مضمون کی تقریباً تمام روایات کو پورے متن و سند کے ساتھ کتب حدیث کے مکمل حوالے دیکر درج کیا ہے، اور ہر ایک روایت کے راویوں اور دیگر فنی نکات و مباحث پر نہایت فاضلانہ اور محققانہ انداز پر محدثانہ شان سے بحث کر کے ان کے صحیح حسن یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ عبداللہ بن زید المحمود نے غنیۃ الالمعی سرے سے دیکھی ہی نہیں اور ایسے مولانا ڈیانوی پر نصوص سے غفلت کا الزام رکھدیا۔ حالانکہ یہ کتاب معجم صغیر طبرانی کے اخیر میں ہمیشہ طبع ہوتی رہی ہے اور حدیث کے طلبہ بھی اس سے واقف ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے سہل انگار لوگ مسند تحقیق پر کیوں براجمان ہو جاتے ہیں۔

ہم نے شیخ کے ان "کمالات علمیہ" کا اظہار اس لیے کردیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کتنی گہرائی سے بات کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے ان کا اعتماد کہاں تک صحیح ہے۔

AsliAhleSunnet.com

میت کی طرف سے قربانی کی مشروعیت کے سلسلے میں دوسرے مضمون کی روایت یہ ہے کہ، حضرت علیؓ ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور ایک مینڈھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ روایت ترمذی اور ابوداؤد کے علاوہ مسند احمد ۱/ ۱۰۷، ۱۴۹ مستدرک حاکم ۴/ ۲۲۹، ۲۳۰، سنن بیہقی ۹/ ۲۸۸ میں بھی مروی ہے۔ ہم اکتوبر ۱۹۸۲ء کے محدث میں بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کو مخصوص ماننا یا حالت وصیت کے ساتھ خاص قرار دینا صحیح نہیں۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور صحابی یا تابعی یا تبع تابعی سے اس کا ثبوت فراہم کیجیے۔ یعنی اگر یہ حضرت علیؓ کے ساتھ خاص نہیں تو ان لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟۔

جواباً عرض ہے کہ اولاً اگر خدانخواستہ کسی صحابی یا بعد کے لوگوں سے نام بنام اسے کرنے کا ذکر نہ ملے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ثانیاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل بذات خود دلیل ہے یعنی وہ دلیل بننے کے لیے صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کی طرف سے عملی تصدیق کا محتاج نہیں۔ ثالثاً امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ کچھ اہل علم میت کی طرف سے قربانی کے قائل ہیں اور کچھ قائل نہیں ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ امام ترمذی جب اہل علم کا مسلک یا اختلاف بیان کرتے ہیں تو اس سے صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین ہی کو مراد لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی کو صحابہ یا تابعین یا کم از کم تبع تابعین میں سے ایک گروہ کے متعلق معلوم تھا کہ وہ میت کی طرف سے قربانی کے قائل تھے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ آدمی میت کی طرف سے صدقہ کر دے قربانی نہ کرے، اور اگر قربانی کرے تو اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ سارا گوشت صدقہ کر دے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث تھا، اور میت کی طرف سے قربانی کرنے کے قائل اور منکر دونوں طرح کے اہل علم تھے۔ اور حضرت ابن مبارکؒ نے اسے ناجائز قرار دینے کے بجائے صدقہ کو زیادہ پسند کیا۔ یاد رہے کہ امام ابن مبارک تبع تابعی تھے۔

حضرت علیؓ کی اس روایت کے بارے میں دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ ضعیف ہے بعض لوگوں نے خصوصاً اس پہلو سے بڑا تردد ظاہر کیا ہے کہ مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوریؒ نے اسے تحفۃ الاحوذی میں ضعیف قرار دیا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

عرض ہے کہ مولانا نے یقیناً اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن مولانا مرحوم نے جس زمانہ میں ترمذی کی شرح لکھی علم حدیث کی بہت سی اعلیٰ فنی کتابیں اور مخطوطے نایاب تھے جواب منظر عام پر آچکے ہیں، لہٰذا تحقیق کا کام مزید آگے بڑھ سکتا ہے۔

اس بنیاد پر عرض ہے کہ مولانا نے جس خاص راوی کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے وہ ابوالحنار ہے اور اس کی خامی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ مجہول ہے، یعنی کچھ پتہ نہیں کہ وہ قابلِ اعتماد تھا یا نہیں؟ لیکن اب ابوالحنار کے متعلق مزید تحقیقات سامنے آچکی ہیں۔ جامع ترمذی کا جو نسخہ بولاق (مصر) سے شائع ہوا تھا۔ اس کی جلد اول کے ص ۲۸۲، ۲۸۳ میں اور اسی طرح ترمذی کا جو نسخہ شیخ عطوہ عوض مدرس جامع ازہر (مصر) کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ المکتبۃ الاسلامیہ سے شائع ہوا ہے، اس کی جلد چہارم کے ص ۵۸۰ میں حضرت علی کی زیر بحث روایت کے ضمن میں امام ترمذی کا جو کلام منقول ہے، اس کے اخیر میں یہ عبارت بھی ہے۔ (اور یہ ہندوستانی نسخوں میں نہیں ہے) قال محمد قال علی بن المدینی وقد رواہ غیر شریک قلت له ابوالحسناء ما اسمه فلم یعرفه قال مسلم اسمه الحسن۔ یعنی محمد (امام بخاری) نے کہا کہ علی بن مدینی نے کہا کہ اسے شریک کے علاوہ نے بھی روایت کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا ابوالحنار کا نام کیا ہے تو انھوں نے اسے نہ جانا، مسلم نے کہا اس کا نام حسن ہے۔

مصر کے مشہور محدث علامہ شیخ احمد شاکر مرحوم نے مسند احمد کی تعلیق ج ۲ ص ۱۵۲ میں لکھا ہے کہ یہ زیادتی، ہمارے ترمذی کے صحیح مخطوطے میں بھی ثابت ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابوالحنار کا ترجمہ تہذیب میں موجود ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کا نام حسن ہے اور کہا جاتا ہے کہ حسین ہے۔ ابوالحنار کا ترجمہ امام ذہبی نے بھی میزان میں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ شخص پہچانا نہیں جاتا۔ لیکن اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اور ابوالحنار حسن بن حکم نخعی ہے۔ امام ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے۔ میرے نزدیک بھی حاکم ہی کی بات راجح ہے۔ حسن بن حکم نخعی کوفی کی کنیت ابوالحسن ہے اور حافظ ابن حجر نے تہذیب ۲/۲۷۰ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس کی کنیت ابوالحکم ہے۔ یعنی اس کی کنیت میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس کی کنیت ابوالحنار بھی رکھدی ہے۔

AsliAhleSunnet.com

یہ شریک کے اساتذہ میں سے ہے۔ اور اسے امام احمد اور ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بارے میں کوئی جرح نہیں ذکر کی ہے۔

(مسند احمد مع تعلیق شیخ احمد شاکر ۲/۱۵۲)

شیخ احمد شاکر کی اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ ابو الحسناء مجہول نہیں ہے، بلکہ دو دو ائمہ فن نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں کوئی جرح نہیں پائی جاتی۔ چونکہ مولانا مبارکپوری نے حدیث کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا تھا کہ ابو الحسناء مجہول ہے۔ یعنی اس کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن اب معلوم ہو گیا کہ وہ ثقہ ہے تو اس حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی وجہ ختم ہو گئی۔

اس تحقیق کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مولانا مبارکپوری کا فتویٰ نقل کر دیا جائے۔

آپ لکھتے ہیں: لم اجد فی التضحیة عن المیت منفردا حدیثا مرفوعا صحیحا واما حدیث علی المذکور فی الباب فضعیف کما عرفت فاذا ضحی الرجل عن المیت منفردا فالاحتیاط ان یتصدق بها کلها واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۴)

یعنی تنہا میت کی طرف سے قربانی کرنے کی مجھے کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ملی۔ رہی حضرت علیؓ کی حدیث جو اس باب میں مذکور ہے تو وہ ضعیف ہے۔ اس لیے احتیاط یہ ہے کہ جب آدمی تنہا میت کی طرف سے قربانی کرے (یعنی اس میں زندہ کو شریک نہ کیا ہو) تو کل کا کل صدقہ کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی مولانا مردے کی طرف سے قربانی کا بالکلیہ انکار نہیں کرتے، بلکہ زندہ مردہ دونوں کی طرف سے قربانی کریں تو ایسی قربانی کرنے اور اس کا گوشت کھانے کو بالکل درست مانتے ہیں۔ البتہ صرف مردے کی طرف سے قربانی کریں تو احتیاط یہ قرار دیتے ہیں کہ گوشت صدقہ کر دیا جائے وہ بھی اس بنا پر کہ ان کے نقطۂ نظر سے یہ حدیث ضعیف ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ اس نقطۂ نظر پر سارے محققین کا اتفاق نہیں بلکہ متعدد کبار ائمہ نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔ مثلاً امام ابو داؤد نے میت کی طرف سے قربانی کا باب مقرر کر کے یہی روایت ذکر کی ہے، اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ ان کی خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہے، یعنی قابل اعتبار ہے۔ امام حاکم کا قول ابھی نقل ہو چکا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ذہبی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور معلوم ہے کہ ان کا معیار کڑا تھا اور رجال کے پرکھنے میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام بغوی نے اسی حدیث کی

(بقیہ ص ۵۶ پر)

AsliAhleSunnet.com

ایک نقطۂ نظر

دورِ حاضر میں اسلام کی تعبیر و تشریح

از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

مؤقر ماہنامہ محدث کی مئی ۸۴ء کی اشاعت میں محترم ایڈیٹر صاحب نے جناب عبداللطیف اعظمی صاحب کے مکتوب گرامی کے دو اقتباسات نقل فرمائے ہیں۔ دوسرے اقتباس کا تعلق عصرِ حاضر میں اسلامی احکام و تعلیمات کی تشریح و تعبیر سے ہے۔

اس مراسلت میں مداخلت کی جرأت چند امور اور اپنے نقطۂ نظر کی توضیح کے لیے کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ مداخلت "بیجا" نہ تصور کی جائے گی۔ پھر توفیق ہوئی تو ایڈیٹر صاحب نے جس پہلو پر اظہارِ خیال کی دعوت دی ہے اس سے متعلق بھی کچھ عرض کروں گا۔

کچھ عرض کرنے سے پہلے محترم اعظمی صاحب کا وہ اقتباس نقل کرنا مناسب ہے جو ان سطور کی تحریر کا محرک ہے موصوف فرماتے ہیں:

"اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی اور معاشرتی نظام پر اسلام کے نام پر جو مواد پیش کیا جا رہا ہے اس سے جدید تعلیم یافتہ اور مسلمانوں کا باشعور طبقہ مطمئن نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ موجودہ ضروریات اور حالات کے پیشِ نظر پوری غیر جانبداری کے ساتھ اسلام کے اصل سرچشموں کی مدد سے ان مسائل پر روشنی ڈالی جائے۔"

مغرب کی مادی تہذیب سے اہلِ شرق کا جب سے سابقہ پڑا بہت سی نئی اصطلاحات ہمارے سامنے آئی ہیں، جنھیں مخصوص پس منظر میں متعین مقاصد پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کچھ ایسے افراد ملیں جو ان اصطلاحات کو ان کے پس منظر اور مقاصد سے خالی الذہن ہو کر استعمال کرتے ہوں لیکن

AsliAhleSunnet.com

عام حالات میں وہ اصطلاحات اپنے متعینہ مقاصد کی جانب ضرور اشارہ کرتی ہیں۔ انھی اصطلاحات میں سے "باشعور" اور "دانشور" کی اصطلاحیں بھی ہیں۔

محترم اعظمی صاحب نے مسلمانوں کے جس باشعور طبقہ کی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ معلوم نہیں ان کی مراد کس طبقہ سے ہے، لیکن بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ جو طبقہ باشعور و دانشور کہا جاتا ہے اس کا مذہب کے ساتھ رشتہ بہت مضبوط نہیں ہوتا بلکہ مذہبی احکام اس کے لیے اختیاری امور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آج کے انشاء پرداز باشعور و دانشور کس کو کہتے ہیں اور کیوں؟ ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ ایک خیال یہ ہے کہ خدا کے دین کی تعلیمات کو مکمل یقین کے ساتھ قبول کرکے اس پر قلبی سکون کے ساتھ جو لوگ عمل کرتے ہیں وہی دانشور اور باشعور ہیں۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کو دانشور و باشعور کہا گیا ہے ان کے اوصاف پر نظر ڈالنے سے مذکورہ خیال کی تائید ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن جس کو دانشور قرار دیتا ہے یہ تقریباً وہی لوگ ہیں جنھیں موجودہ دور کے ترقی پسند لوگ "رجعت پسند" کہتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ کے ترجمہ پر غور فرمائیں۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۹۹ کا مضمون ان لوگوں کے لیے دعوتِ فکر و تدبر ہے جو اسلام کی اب تک کی تعبیر و تشریح سے مطمئن نہیں ہیں بلکہ انھیں کسی نئے مناسب انداز کی تلاش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(اور بعض اہلِ کتاب بھی اللہ کو مانتے ہیں اور جو کچھ تمھاری طرف اور ان کی طرف اللہ کے ہاں سے اتارا گیا ہے اس کو بھی اللہ سے ڈر کر مانتے ہیں اور اللہ کے حکموں کے عوض تھوڑے تھوڑے پیسے حاصل نہیں کرتے، ان ہی لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بدلہ ہے، بے شک خدا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔)

اسی طرح ملاحظہ ہوں سورۂ رعد کی آیات ۱۹ تا ۲۲۔

... ...

مذکورہ مکتوب میں یہ جملہ اپنی عمومیت کی وجہ سے محلِ غور ہے کہ "مسلمانوں کے مذہبی و معاشرتی نظام پر اسلام کے نام پر جو لوادہ پیش کیا جا رہا ہے اس سے جدید تعلیم یافتہ اور مسلمانوں کا باشعور طبقہ مطمئن نہیں ہے۔" موجودہ دور میں اسلام کی ترجمانی متعدد مکاتبِ فکر کی جانب سے کی جا رہی ہے۔ معلوم نہیں تمام مکاتبِ فکر

AsliAhleSunnet.com

پر یہ حکم لگایا جارہا ہے یا کوئی مستثنیٰ بھی ہے۔

پھر مذکورہ جملہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مواد پیش کرنے والے اسلام کی ترجمانی اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے کررہے ہیں، اگر ایسا ہو تو یقیناً ان کی بات ناقابلِ التفات ہے، لیکن جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے ہمتقدد حلقے ایسے ہیں جو اسلام کے نام پر جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں، اس کی شرعی دلیل رکھتے ہیں، جس کی روشنی میں حلال وحرام یا صحیح وغلط کا فیصلہ ہوتا ہے۔

ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ جدید تعلیم یافتہ اور باشعور طبقہ کے عدم اطمینان کا اصل سبب کیا ہے؟ کیا جو نظام ان کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اس میں کوئی کمی محسوس ہورہی ہے؟ یا کسی ذہنی پس منظر کی وجہ سے مذکورہ بے اطمینانی وجود پذیر ہوئی ہے۔؟

یہ شکوہ گاہے گاہے سننے میں آتا ہے کہ علماء دین تنہا اپنے آپ کو اسلام کی تشریح وترجمانی کا مجاز ومستحق سمجھتے ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ کوئی طبقاتی امتیاز نہیں ہے جو علماء کو دیا گیا ہے بلکہ عربی زبان واسلامی علوم سے واقفیت کے باعث علماء کو یہ حق حاصل ہوا ہے اور اس ذمہ داری سے متعلق ان کو خدا کے یہاں جواب دینا ہے۔ پھر علماء جو کچھ کہتے ہیں اس کی صحت وسقم کو سمجھنے کے لیے کسی بھی باہوش آدمی کے پاس وسیلہ موجود ہے۔ کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اسلامی احکام کا اصل ماخذ کتاب وسنت ہے۔ اسی طرح شرعی ادلہ میں اجماع وقیاس کو بھی معتبر مانا گیا ہے، بشرطیکہ قرآن وسنت کے کسی حکم سے ان کا تعارض نہ ہو۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مذہبی ومعاشرتی نظام پر کوئی ایسا مواد پیش کیا جائے جس کی سند کتاب وسنت سے نہ ہو تو یقیناً امت اسے قبول نہیں کرسکتی۔

...

اسلام کی اشاعت وترقی سے جن لوگوں کو دلچسپی ہے وہ بجا طور پر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اسلامی احکام وتعلیمات کی حقانیت وصداقت کا تحقیقات وتجربات سے اس طرح ثبوت فراہم ہوجائے کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور ہر شخص اسلام کو ماننے پر مجبور ہوجائے۔

اسلام کے دینِ فطرت ہونے اور تحقیق وتجربہ کی تحریک کے دن بدن قوی ہونے کے باعث مذکورہ خیال کو امرِ مستبعد نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اسلام کے ظہور سے آج تک کی طویل مدت میں

AsliAhleSunnet.com

اس کی جن تعلیمات کو تحقیق و تجربہ کی دنیا سے سند توثیق حاصل ہو چکی ہے کیا ان میں لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت کے پہلو کم ہیں کہ مزید تصدیق و توثیق کا انتظار ہے؟

تحقیق و تجربہ سے ثابت ہو نیوالی اسلامی تعلیمات کے بارے میں انسانوں کے ایک طبقہ کا موقف چونکہ حوصلہ افزا نہیں رہا ہے، اس لیے جب کبھی ایسی آواز کسی طرف سے اٹھتی ہے تو اسے بہت زیادہ توجہ کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس کا سبب تحقیقی کوششوں کا استخفاف نہیں بلکہ منکرین اسلام کا منفی موقف ہے۔

بہت سے ذہن تجربات کو اسلام کے کسوٹی بنانے کا تصور رکھتے ہیں، اور اس کی تردید اسلام نہیں کرتا لیکن اس سلسلہ میں ایک بات ذہن میں رکھنا مفید ہوگا کہ واقعہ معراج کے بعد جب مشرکین خوشی خوشی حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس پہنچے اور اس توقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دہرائی کہ ابوبکر رضؓ یہ سن کر ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کردیں گے، تو حضرت ابوبکر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ: اگر یہ دعویٰ نبی ﷺ نے کیا ہے تو پھر میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، ایسا ہونا عین ممکن ہے۔ بات جذبہ کی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کہ آج اسلام کو اسی طرح کا ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی ضرورت ہے، اور ایسے ہی ایمان سے دنیا کو گمراہیوں کے مہلک اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ تحقیق و تجربہ کے ناخن سے کریدنے اور عقلی موشگافیوں کا طول طویل سفر طے کرنے کے بعد جو ایمان حاصل ہوتا ہے اس میں عام طور پر وہ گرمی نہیں ہوتی جس کی اس وقت انسانیت کو ضرورت ہے اور جس سے انسانی سیرت کو تعمیر کرنے میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

...

ضروریات و حالات کے پیش نظر غیر جانبداری کے ساتھ اسلام کے اصل سرچشموں کی مدد سے پیش آمدہ مسائل پر روشنی ڈالنے کی تجویز یقیناً خوش آئند ہے۔ لیکن عملی طور پر اس خدمت کی انجام دہی اور کسی ایسی تشریح تک رسائی جس سے ہر طبقہ مطمئن ہوسکے بڑی مشکل بات ہے۔

آج مختلف حلقوں کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جارہی ہے کہ دین پر عمل کے لیے کتاب و سنت کے اصل سرچشموں سے روشنی حاصل کرنا چاہیے اور دین کے نام پر جن غلط رسم و رواج کو تقدس و احترام کا مقام دیدیا گیا ہے ان سے امت کو نجات دلائی جائے۔

اسی طرح پچھلے سالوں میں عالم اسلام کے مختلف حصوں میں دینی بیداری کے آثار نمایاں ہوئے ہیں۔ اس بیداری

AsliAhleSunnet.com

کے سہارے بعض ممالک تو سیاسی مقاصد کے حصول اور مذہبی عصبیت کی ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن اکثر ملکوں میں یہ جذبہ سچا اور مخلصانہ نظر آتا ہے۔ اسی لیے مختلف حلقوں سے شرعی احکام کی تنفیذ کے مطالبے سننے میں آرہے ہیں۔ ساتھ ہی ان احکام کی تنفیذ کے امکانات اور ان کے محاسن و مصالح پر تحقیقی انداز میں تبادلۂ خیال بھی ہورہا ہے، علمی مذاکرات اور بحث و مباحثے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ آج کی یہ صورتحال یقیناً اس وقت سے مختلف ہے جب مغرب کی مادی تہذیب سے اسلام کا سابقہ نیا نیا تھا اور اس مذہب پر ایمان رکھنے والے ایک عجیب آزمائش اور سخت قسم کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ کیونکہ ایک طرف غیر اسلامی حلقے اسلام کی صحیح صورت مسخ کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف مغرب سے متاثر ہونے والے مسلمان اسلامی شریعت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور ان کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اسلام موجودہ دور کی چیز نہیں۔ آج خدا کا فضل ہے کہ ایک بڑے طبقہ اور بالخصوص تعلیم یافتہ نوجوانوں میں یہ تصور قوی ہوچکا ہے کہ مذہب کی مکمل پابندی انسان کی عین سعادت ہے اور مذہب ہی کے زیر سایہ انسانیت کو امن و سکون کی زندگی حاصل ہوسکتی ہے ان حالات میں اسلام کی مناسب تعبیر و تشریح کے لیے منتظر بیٹھے والوں کو اپنے رویے پر خود نظر ثانی کرنا چاہیے اور اس حقیقت کا پتہ لگانا چاہیے کہ انسانیت مختلف نظریات و مذاہب کا تجربہ کرلینے کے بعد کیوں اسلام ہی کی طرف پلٹ کر آرہی ہے، اور جو لوگ اسلامی تعلیمات سے مطمئن نہ تھے ان کے دلوں میں اسلام کے لیے کیوں جگہ پیدا ہورہی ہے۔؟

... ...

جدید تعلیم یافتہ طبقہ جن مسائل میں موجودہ تشریحات سے مطمئن نہیں ہے، ان میں عورتوں کے حقوق و فرائض کا مسئلہ سرفہرست ہے، اس موضوع پر باشعور لوگوں کو علماءِ اسلام سے بڑی شکایتیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ علماء نے عورتوں سے متعلق ایسے فتاوے صادر کیے ہیں جن سے ان کی کھلی حق تلفی ہوئی ہے اور معاشرہ میں ان کا مرتبہ گھٹا ہے یہ بات کچھ اس انداز سے بار بار دہرائی گئی کہ اصل صورتحال کو سمجھنے اور معاملہ کا وسیع نظر سے جائزہ لینے کے بجائے اکثریت نے اسلام میں عورتوں کو مظلوم سمجھ لیا اور ان کی آزادی و سماجی بہتری و خوشحالی کی آوازیں بلند کرنے لگے۔

مصر آبادی کے لحاظ سے عرب دنیا کا سب سے بڑا ملک اور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے ممتاز حیثیت

AsliAhleSunnet.com

کا ملک ہے، وہاں پر آزادئ نسواں کے نام سے جو تحریک چلائی گئی اور اس کے جو نتائج رونما ہوئے وہ دوسرے ممالک کے لیے باعثِ عبرت ہیں، صرف یہی ایک مثال اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلامی احکام کی مصلحتوں کو سمجھے بغیر حالات کے غلط دباؤ سے مذہب کے خلاف جو اقدامات کیے جاتے ہیں ان کے نتائج کیسے ہوتے ہیں۔

مغرب سے اتصال کے بعد جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے قاسم امین کی قیادت میں آزادی نسواں کی تحریک چلائی دلیل وہی تھی جسے ہم اور آپ اکثر سنتے رہے ہیں۔ ازہر کے علماء نے اس تحریک کی مخالفت کی، لیکن رجعت پسندی و جمود کا الزام ان پر پہلے ہی سے تھا اس لیے ان کی آواز صدا بصحرا ہو گئی۔ تحریک نے بال و پر نکالے عورتوں کو ہر میدان میں گھسایا گیا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہی ترقی کا عنوان ہے۔ ہر طرف مصر کی اس تحریک کا چرچا تھا۔ کتابیں اور مقالات لکھے گئے اور لوگوں نے مصر کے حالات کو بطور نمونہ دوسرے ممالک کے سامنے پیش کیا۔

عورتوں کو ضروری اور غیر ضروری طور پر مردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں لانے کا مقصد تحریک کے کارکنوں کی نظر میں معلوم نہیں کیا تھا اور کس حد تک اس کی تکمیل ہوئی۔ لیکن زمانہ نے یہ دیکھا کہ مذہبی و معاشرتی طور پر کچھ ایسے نتائج رونما ہوئے جن کو دیکھ کر بڑے بڑے روشن خیال پکار اٹھے کہ عورتوں کو اس طرح ہر شعبہ میں گھسانا خود عورتوں پر صریح ظلم ہے۔ مصر میں قیام کے دوران ایک باہوش و دردمند شخص سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوا تو اس نے تھوڑی دیر بعد بڑے جوش سے کہا کہ: بخدا اگر آج قاسم امین بھی ہوتے تو عورتوں کی موجودہ آزادی کی مخالفت کرتے اور جس تحریک کی قیادت کو انھوں نے ملت کی خدمت سمجھا تھا اس سے دست برداری کا اعلان کر دیتے۔

مذکورہ رائے روزمرہ کے واقعات کے مشاہدہ پر مبنی ہے، قاسم امین کی تحریک کے صحیح یا غلط ہونے کا سوال الگ ہے لیکن یہ بات ہر آدمی کہنے پر مجبور ہو گا کہ مسلم قوم کے سماجی حالات کی اصلاح کا مقصد رکھنے والا انسان کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ ملت کی مائیں اور بہنیں زندگی کے میدان میں ان ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے مجبور ہوں جن کی وہ ذہنی و جسمانی طور پر متحمل نہیں۔

اسلام کو قرآن حکیم اور صحیح حدیث میں دینِ فطرت کہا گیا ہے اس طرح اس کے کسی حکم کی مخالفت،

AsliAhleSunnet.com

فطرت کی مخالفت ہے، اور فطرت کے خلاف کسی عمل کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔ مصری معاشرہ نے عورتوں کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا تھا وہ اسلامی تعلیمات و آداب کے خلاف تھا، اس لیے تھوڑے ہی دنوں بعد لوگوں کی زبانیں کھلنے لگیں اور ان خرابیوں کا ذکر شروع ہوگیا۔ جو عورتوں کی غیر ضروری بلکہ تفریحی آزادی سے پیدا ہوئی تھیں۔ پھر ایک وقت آیا جب مصری عورتوں نے باقاعدہ نقاب کا استعمال شروع کردیا اور جن عورتوں کو اس کی ہمت نہ ہوئی انھوں نے کم از کم اپنا نیم عریاں لباس ترک کرکے مہذب و ساتر لباس اختیار کرلیا۔ آزادیٔ نسواں کے نام پر جن بدعنوانیوں کو فروغ دیا گیا تھا اب انھی کے خلاف لوگ کھڑے ہوگئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ عورتیں معاشرہ میں وہی مقام اختیار کریں جسے اسلام نے ان کے لیے متعین کیا ہے۔ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ آزادیٔ نسواں کی مذکورہ تحریک اور موجودہ دور میں اس کا ردعمل دونوں چیزیں علماءِ دین کے دائرۂ اثر و رسوخ سے باہر تھیں۔ تحریک کی قیادت تو ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جنھیں ترقی پسند کہا جاتا ہے اور موجودہ ردعمل میں مسلمانوں کی نئی نسل پیش پیش ہے، جس کے دلوں میں یہ تڑپ ہے کہ مسلمانوں سے ادبار و پسماندگی کی لعنت دور ہو، دنیا میں اپنے معاملات کا فیصلہ وہ خود کریں اور جس دین کا کلمہ پڑھنے کے جرم میں انھیں ہر طرف سے سازشوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے اس پر وہ صحیح معنوں میں اخلاص کے ساتھ عمل کریں۔

عام طور پر یہ سوچا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ کی حمایت اور بغیر ضرورت باہر نکلنے کی مخالفت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو تنگ نظر اور ان لوگوں کی نفسیات سے بےخبر اور ظاہر پرست ہوتے ہیں، لیکن مصر ہی میں ایک ایسی مثال قائم ہوئی جس سے مذکورہ خیال کی تردید ہوگئی۔ مصر کے نامور اسلامی مفکر، ادیب اور ناقد عباس محمود عقاد کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، اسلامی لٹریچر میں انھوں نے عبقریات کے نام سے جو گرانقدر اضافہ کیا ہے وہ اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے جس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا ہے۔ تہذیب و تمدن اور مذہب و سیاست کے موضوعات و مسائل پر لوگ موصوف کی رائے جاننے کے منتظر رہا کرتے تھے، وہ جو رائے بھی قائم کرتے، دلیل کی بنیاد پر قائم کرتے اور کبھی عدم توازن کا شکار نہیں ہوتے۔ انھوں نے بہت سے پیچیدہ مسائل پر قلم اٹھایا اور انھیں بڑی مہارت سے حل کرکے رکھ دیا، مصر میں انگریزوں کی آمد کے بعد اسلام کے خلاف تشکیک و توہم کی جو لہر پیدا ہوئی تھی اسے علمی اسلوب میں فرو کرنے میں موصوف کا کردار بڑا نمایاں ہے۔ عورتوں کے موضوع پر بھی موصوف کا ایک نظریہ تھا، جس پر وہ عمر بھر قائم رہے، یہ نظریہ اس رائے سے ملتا جلتا تھا جو

AsliAhleSunnet.com

اس مسئلہ میں علماء اسلام نے قائم کی تھی۔ موصوف کا خیال تھا کہ عورت کا دائرۂ عمل بنیادی طور پر گھر کے اندر ہے باہر کی کسی سرگرمی سے اس کو وابستہ کرنا غلط ہے۔ زندگی کے آخری دور میں جب موصوف نے اپنی مذکورہ رائے کا اعادہ کیا تو ترقی پسند حلقہ میں اس کا بڑا چرچا ہوا، ان جرائد و اخبارات نے جو بے پردگی کے حامی تھے عقاد کو سخت سست بھی کہا۔ لیکن وہ اپنی رائے پر تاحیات قائم رہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ کس طرح مصری معاشرہ کے ایک بڑے طبقہ نے ان کی رائے کی پذیرائی کی اور عورتوں کی بے پردگی سے پیدا ہونے والے مفاسد کے خلاف عملی قدم اٹھایا۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: کیرلا

ج: ہر مسجد میں خطیب مرکز کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔

س: پورے کیرالا میں مجاہدین (اہلحدیث) کی کتنی مسجدیں ہیں؟

ج: تقریباً پورے کیرالا میں مجاہدین کی دو سو مسجدیں ہیں۔

س: ندوۃ المجاہدین کے ماتحت چلنے والے کتنے عربی اسکول مدارس اور نرسری ہیں؟

ج: ندوۃ المجاہدین کے ماتحت چلنے والے ۲۲ عربی اسکول اور اٹھارہ اورینٹل اسکول ہیں۔ مدارس کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ نرسری اسکول کی تعداد تیس ہے۔ ٹیچر ٹریننگ اسکول اور کلیۃ البنات ایک ایک ہیں۔

مجاہدین کے تین میگزین نکلتے ہیں، ثمرا الشباب، یہ پندرہ روزہ اسلامی میگزین ہے۔

(۲) اقراٗ، یہ ماہنامہ علمی اور ادبی رسالہ ہے جو حرکۃ الطلبۃ المجاہدین کی طرف سے نکلتا ہے۔

(۳) المنار، یہ ندوۃ المجاہدین کا علمی ادبی اور وقیع ماہنامہ رسالہ ہے۔

رات چونکہ کافی گذر چکی تھی اس لیے انھی چند نکات پر اکتفا کرتے ہوئے عمری صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا گیا۔

محمد یونس (مدرس جامعہ سلفیہ بنارس)

AsliAhleSunnet.com

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدی رح

نواب صدیق حسن خان اور مولانا حسین احمد مدنی کی نظر میں

مولانا محفوظ الرحمن فیضی جامعہ فیض عام مئو

ترجمان وہابیہ اور اس کی تالیف کا پس منظر: وہابیت کے باب میں نواب صاحب کو مطعون کرنے کے لیے چونکہ مولانا نعمانی نے نواب صاحب کی دیگر تمام تالیفات کو نظر انداز کر کے نہایت چابکدستی سے اس کتاب "ترجمان وہابیہ" کا انتخاب کیا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں ذرا تفصیلی گفتگو مناسب ہے۔ نواب صاحب کی یہ کتاب ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی ہے۔ یہ زمانہ نواب والاجاہ کے لیے انتہائی پُر آشوب تھا، آپ کو بدنام اور معتوب کرانے کے لیے، حاسدین و مبغضین نے آپ پر انواع واقسام کے مذہبی و انتظامی الزامات قائم کر کے حکام گورنمنٹ برطانیہ تک آپ کی شکایتیں پہنچائیں۔ جن شکایتوں سے انگریز افسروں کے کان بھرے گئے ان میں بڑی شکایت یہ تھی۔ کہ

"نواب صدیق حسن خاں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور وہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔"

ان دونوں الزامات کی روح ایک ہی تھی یعنی حکومت کے خلاف بغاوت، اس زمانہ میں وہابیت اور بغاوت، ہم معنی لفظ تھے، چنانچہ کتنے ہی اہلحدیث تھے جو صرف کسی کے وہابی کہہ دینے پر مواخذہ میں آئے اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا اور طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنے۔ نواب صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جو لوگ فسادی تھے انھوں نے حکام کے ذہن میں یہ بات ڈالدی تھی کہ جو لوگ وہابی کہلاتے ہیں وہ سرکار انگریزی کے دشمن ہیں۔ سرکار نے جو غور فرمایا تو یہ دریافت کیا کہ مطلق وہابی کے کہنے سے کوئی ہمارا دشمن نہیں سمجھا جاتا جب تک کوئی جرم بغاوت

AsliAhleSunnet.com

اُس سے صادر نہ ہو۔ مگر یہ بات مدتِ دراز کے بعد سرکار نے سمجھی، ورنہ ایک زمانہ میں صرف کسی کے وہابی کہہ دینے پر مواخذہ ہو جاتا تھا۔" (ترجمان وہابیہ ص ۶۵)

اور اس مواخذے کی سختی کا عالم یہ تھا کہ نواب صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"کسی وہابی کے لیے عدالتہائے قانونی میں انصاف پانا ناممکن ہے، کیونکہ اس علتِ وہابی کے معلوم ہوتے ہی حاکم عدالت اس کے خلاف پر آمادہ ہو جاتا ہے۔" (ترجمان وہابیہ ص ۶۶)

دشمنانِ والاجاہ کی ریشہ دوانیوں نے حالات کو آپ کے خلاف کس قدر نازک موڑ پر پہنچا دیا تھا اس کی تصویر کشی ممدوح کے خلف الرشید نوابزادہ محمد علی حسن خان صاحب نے یوں کی ہے:-

"بھوپال محشرستانِ آشوب بنا ہوا تھا (حاسدین اور سرکاری حکام کے نزدیک) والاجاہ سے بڑھ کر کوئی غیر وفادار اور بدخواہِ ملک و گورنمنٹ نہ تھا، دار و گیر کی صدائیں بلند ہو چکی تھیں .... دستِ ستم دراز ہو چکا تھا، تیغِ بیداد بے نیام ہو چکی تھی اور ایک آلِ رسول قربان گاہِ آزمائش میں فیصلہ سرو تن کا منتظر کھڑا تھا اور وہ وقت قریب آچکا تھا کہ یہ صدائے سرمدی بلند ہو ے

عمریست کہ آں جلوۂ منصور کہن شد — من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

کہ ناگاہ مشیتِ ایزدی نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیا، تیغِ بیداد خمیدہ ہو کر سر بسجود ہو گئی۔

طفیلان نازیں کہ جگر گوشۂ خلیل — آمد بزیرِ تیغ و شہیدش نمی کنند

جب گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے باضابطہ مقدمہ پہنچا تو اس نے بعد تحقیق ناواجب مطالبات کو رد کر کے مصلحتاً ... والاجاہ کے انتزاعِ خطابات و اختیارات پر قناعت کی اور ۱۳۰۲ھ کو انتزاعِ خطاب کا اعلان عام کیا اور نظم ریاست میں ممدوح کو دخل دینے سے ممانعت کر دی گئی۔"

اس ہنگامۂ رستخیز میں والاجاہ مرحوم کا نہ کوئی یار و غمگسار تھا، نہ کوئی معاون و صلاح کار، صرف خدائے حافظِ حقیقی کی حفاظت و نصرت اور رئیسہ عالیہ (ریاست بھوپال شاہجہاں بیگم، شریکِ حیات نواب صاحب) کی سچی رفاقت اور بے نظیر وفاداری ان کی پشت پناہ تھی۔"

AsliAhleSunnet.com

یہ تھے وہ نازک و پُر آشوب حالات جن میں نواب صاحب نے:

تالیف کا مقصد و موضوع :

"ترجمان وہابیہ" لکھی جس کا مقصد و موضوع درحقیقت بغاوت کے الزام کی تردید تھی ، ۔ چنانچہ خود مصنف نے اس کے تالیف کی غرض و غایت اور اس کا موضوع صراحتاً بیان کیا ہے ۔ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ رسالہ اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ سرکار عالیہ برٹش کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مسلمانان رعایائے ہند و رعایائے ہند میں کوئی بدخواہ اس دولت عظمیٰ کا نہیں ہے ، اور جن مسلمانان ریاست وغیرہ پر دشمن ان کے تہمت وہابیت کی لگاتے ہیں وہ ہرگز وہابی نہیں اور اصل مذہب صحیح اسلام میں مسئلہ جہاد کس طرح ہے اور غربا ہر اہل اسلام بلکہ بعض امراء مسلمین جن کی ایسی مجنری غلط بیشتر کبھی ہوئی ہے یا اب ہوئی ہے وہ اس راہ و رسم سے بالکل بری ہیں ۔" (ص ٦) .... پھر سرگزشت اپنی آخر رسالہ میں جو ایک سبب اصلی تالیف اس مقالہ کا بھی ہے لکھوں گا ۔ (ص ٨)

اور فی الواقع یہی امور اس کتاب کے اندر بیان کئے گئے ہیں ۔ مگر اس صراحت کے برخلاف محترم مولانا منظور صاحب نعمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ :

(نواب صاحب نے) شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت و مسلک سے اپنی اور جماعت اہلحدیث کی برأت ظاہر کرنا اور ان کو مطعون و مجروح کرنا اور فسادی تک قرار دینا ضروری سمجھا ان کی کتاب "ترجمان وہابیہ" کا یہی مقصد اور موضوع ہے ۔" (ص)

آپ ایک طرف اصل حقیقت دیکھیے اور دوسری طرف مولانا نعمانی کا بیان ، پھر

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

نعمانی صاحب نے یہ تو بجا فرمایا کہ نواب صاحب مرحوم نے "ترجمان وہابیہ" میں "وہابیت" سے برأت ظاہر کی ہے ۔ لیکن ہاتھ کی صفائی اور ہیرا پھیری سے یہاں بھی باز نہ آئے ۔ نواب صاحب نے وہابیت کے دو رائج الوقت معانی درج کیے ہیں ۔ ایک وہابیت بمعنی بغاوت اور دوسرے وہابیت بمعنی تقلید محمد بن عبدالوہاب۔ پھر دونوں سے اپنی برأت ظاہر کی ہے ۔ خواہ وہابیت بمعنی بغاوت ہو یا بمعنی تقلید و پیروی محمد بن عبدالوہاب ،،

AsliAhleSunnet.com

اور ایک اپنی ہی برأت کیا انھوں نے تو اسی "ترجمان وہابیہ" میں صاف صاف اور بار بار لکھا ہے کہ،
ہندوستان میں وہابی کوئی نہیں، کیونکہ وہابی ہونے کی جو وجوہ ہوسکتی ہیں وہ ان میں پائی نہیں جاتیں، ہندوستانی مسلمانوں میں شیعی و حنفی تو ظاہر ہے کہ اپنے اپنے خاص امام کے پیرو اور مقلد ہیں نہ کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے (جن کی طرف وہابی منسوب ہیں) اور رہے اہلحدیث تو وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کیا ائمہ متقدمین میں سے بھی کسی ایک معین امام کے پیرو اور مقلد نہیں ہیں ان لوگوں کا شیخ سے نہ تقلیدی رشتہ ہے نہ شاگردی و مریدی کا علاقہ، ہندوستان کی تحریک اہلحدیث و تحریک شہیدین نجدی تحریک سے نہ تاثر کا نتیجہ ہے نہ اس سے وابستہ ہے بلکہ وہ مستقل تحریک ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت کی اتباع اور عدم تقلید شخصی پر ہے اس لیے اہلحدیث نیز شیعی و حنفی بھی کسی طرح اپنے لیے "وہابی" کا لقب پسند نہیں کرتے۔

نواب صاحب نے "ترجمان وہابیہ" کی فصل سوم میں اہلحدیث کے وہابی" نہ ہونے کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ وجہ سادس میں۔ جس کا اقتباس مولانا نعمانی نے پیش کیا ہے۔ یہ بیان کیا ہے کہ:

"اہلحدیث کے احوال و طبقات کی صدہا ہزار ہا کتابیں بطور تاریخ مذہب اسلام میں موجود ہیں، ان کی نسبت کسی کتاب میں کسی جگہ حال فساد و غدر کا نہیں لکھا ہے۔ بخلاف محمد بن عبدالوہاب کے کہ حال اس کے فساد کا تاریخ مصر و دیگر کتب مولفہ علماء عیسائی مطبوعہ بیروت وغیرہ میں مفصل تحریر ہے۔" (ص ۳۰)

اس تحریر سے نواب صاحب کا مقصد بالکل واضح ہے کہ ہم پر "وہابیت" کا الزام لگانا اور ہمیں "وہابی" قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اپنے مخالفین یا حکومت وقت سے جنگ و قتال نہیں کر رہے ہیں۔ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ان کے مخالفین امراء و شیوخ سے حرب و ضرب اور جنگیں ہوئیں۔

یہاں نواب صاحب کی یہ احتیاط بھی ملحوظ رہے کہ وہ محمد بن عبدالوہاب کو خود فسادی سے متصف نہیں کرتے بلکہ انگریز گورنمنٹ کو یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تمہارے عیسائی مصنفین نے ان کے فساد کا جو حال لکھا ہے ویسا حال اہلحدیث لوگوں کا کسی کتاب میں بھی نہیں مل سکتا۔ پس خود گورنمنٹ کے مسلمات کی رو سے اہلحدیث کو وہابی قرار دینا کیونکر قرین انصاف ہوسکتا ہے؟ یعنی نواب صاحب نے نہ اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ اسے اپنی ذاتی رائے قرار دی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب واقعۃً فسادی تھے۔ بلکہ یہ بتایا ہے کہ دوسرے لوگوں نے ان کے بارے میں ایسا لکھا ہے۔ مگر مولانا نعمانی کا کمال دیکھیے کہ انھوں نے یہ "فساد" جڑ دیا کہ نواب صاحب شیخ کو مجروح و مطعون کرنا اور فسادی قرار دینا ضروری سمجھتے تھے اور یہی ترجمانِ وہابیہ کا موضوع ہے۔

AsliAhleSunnet.com

پھر نعمانی صاحب کو اس تلبیس سے اس قدر دلچسپی ہے کہ انھوں نے طعن و فساد کے دائرے کی حد بندی کی وضاحت مناسب نہیں سمجھی نہ نواب صاحب کی ان تحریروں کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھا جن میں شیخ ممدوح کی خوبیوں اور اصلاحی اقدامات کا اعتراف ہے حالانکہ نواب صاحب کے اس بیان کو موصوف کی دوسری تحریروں کے سیاق و سباق میں رکھ کر ہی پڑھنا چاہیے۔ انصاف اور معقولیت کا تقاضا یہی ہے۔ کوئی کسی شخص کی خوبیوں کا زبردست اعتراف ذکر کرنے کے ساتھ اس کے کسی ایک اقدام سے اختلاف کا اظہار کرے اور اس کو فساد سے تعبیر کرے تو اس کو اس کے حقیقی پس منظر میں دیکھنا چاہیے اور اس کا جو واقعی مقصد ہے اسے ظاہر کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ اس پر تہمت تراشی کرکے اس کی معمولی بات کو بھیانک شکل دیدی جائے اور اسے مجرم کے کٹہرے میں کھڑے کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ نعمانی صاحب نے کیا ہے۔

نواب صاحب نے ترجمانِ وہابیہ میں محمد بن عبدالوہاب کو بذاتِ خود مطعون و مجروح نہیں کیا ہے نہ فسادی کہا ہے۔ بلکہ الزامی جواب کے طور پر دوسروں کی بات نقل کی ہے اور پھر دوسروں کے الزام کو بھی صرف جنگ و قتال کے معاملے میں نقل کیا ہے۔ رہا جنگ و قتال کے علاوہ دیگر عقائد و اعمال کے اعتبار سے مجروح و مطعون کرنے کا معاملہ تو آپ ترجمانِ وہابیہ کی آٹھوں فصلیں، مقدمہ اور خاتمہ پڑھ جائیے۔ کہیں بھی آپ کو شہاب ثاقب کی سی خرافات و افترات اور جرح و طعن نہیں ملیں گی یعنی کسی بھی فصل میں شیخ الاسلام کو شہاب ثاقب کی طرح بدعقیدہ، فاسق، خبیث، مخالف اہلسنت والجماعت، ظالم و خونخوار وغیرہ لکھا ہوا نہیں ملے گا۔ حتی کہ اس کتاب میں نواب صاحب نے وہ مشہور عام الزام بھی بطور خود وثوق کے ساتھ کہیں ذکر نہیں کیا ہے کہ شیخ اپنے اور اپنی جماعت کے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر و مباح الدم سمجھتے تھے۔ بلکہ اس سب کے برخلاف کئی جگہ یہ صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ:

"نیا مذہب نکالنے کی نسبت ان کی طرف کرنا (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف) بظاہر غلط محض ہے۔ اس لیے کہ وہ مذہب حنبلی میں پہلے سے آخر تک رہے۔" (ص ۱۵)

اس کے باوجود معلوم نہیں مولانا نے نعمانی نے کس بنیاد پر یہ لکھ دیا کہ ترجمانِ وہابیہ کا مقصد و موضوع شیخ کو (علی الاطلاق) مجروح و مطعون کرنا ہے۔

مولانا کو اپنے اس دعوے کے ثبوت میں شیخ کے متعلق مذکورہ بالا اقتباس کے علاوہ اور کوئی عبارت نہیں ملی تو فصل ششم سے جس میں امراء آل سعود کا مختصر ترجمہ و تذکرہ اور مخالفین امراء وقت سے ان کی جنگوں کا حال لکھا ہے امیر سعود بن عبدالعزیز (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) کے حالات میں سے اس حصہ کا

AsliAhleSunnet.com

اقتباس نقل کیا ہے، جس میں ان کے مدینہ میں داخلہ اور قبضہ کا حال مذکور ہے جو بقول مولانا نعمانی صاحب انتہائی اشتعال انگیز ہے اور یہ سعود بن عبدالعزیز شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی کے فیض یافتہ بلکہ ساختہ پرداختہ تھے۔ اس لیے یہ اشتعال انگیزی گویا شیخ کے خلاف ہے مگر مولانائے محترم نے اس کو نظر انداز کر دیا کہ اسی فیض یافتہ کے بارے میں اس کی سیرت و کردار کے بارے میں پہلے یہ لکھا ہے کہ:

"اور اس میں تدین اور حلم اور عدل تھا، اس لیے خاص اور عام اس کی طرف میلان رکھتے تھے اور اجرائے احکام میں ایک شمشیر برہنہ تھا اور مجرموں کو سخت سزا دیتا تھا اور ابطال طلاق میں اس نے بہت کوشش کی اور فریضہ رمضان کی حفاظت میں بہت کوشش کی۔" (ص ۵۰)

بات اصل یہ ہے کہ جیسا کہ نواب صاحب نے لکھا ہے کہ مفسدان فتنہ پرداز نے حکام انگلشیہ کے خیال میں یہ امر جما دیا تھا کہ یہ لوگ جو "وہابی" ہیں، سب حکومت کے "باغی" ہیں اور یہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خاں وغیرہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور سب "وہابی" ہیں۔ نواب صاحب مرحوم نے اپنی متعدد تصنیفات میں بالعموم اور ترجمان وہابیہ میں بالخصوص اس الزام کی تردید کی ہے اور واضح کیا ہے کہ "ہر محدث (اہلحدیث) اہلسنت پر لفظ "وہابی" بولنا اور "وہابی" کے معنی "باغی" ٹھہرانا خلاف عقل و نقل ہے (ص ۸۹)

اور "وہابی" کی نسبت چونکہ محمد بن عبدالوہاب کی طرف ہے، اس لیے نواب صاحب نے اپنے اور اپنی جماعت اہلحدیث کے "وہابی" نہ ہونے کے ثبوت میں اہلحدیث کے طرز عمل اور شیخ کے شہرت یافتہ اور عیسائی مصنفین کی کتابوں کے اندر بیان کردہ طرز عمل کے درمیان جو فرق و اختلاف تھا اس کو بیان کیا ہے۔ مگر اس معاملے میں بھی نواب صاحب نے یہ احتیاط برتی ہے کہ ان کے عقیدے اور مذہب پر کوئی حملہ نہیں کیا ہے۔ اس کے برخلاف مولانا مدوح نے اپنے اکابر پر لگائے گئے اسی الزام وہابیت کی تردید کرنی چاہی اور اپنے بزرگوں کی اہل نجد سے بے تعلقی اور ان کے درمیان فرق و اختلاف کو بیان کیا تو شیخ کی طرف بہت کچھ "خرافات و افتراآت"، پورے وثوق کے ساتھ منسوب فرما دیں اور یوں ان سے اپنے اکابر کی برأت ثابت کی۔ ترجمان وہابیہ اور الشہاب الثاقب میں اس واضح فرق کے باوجود مولانا نعمانی "مدظلہ" کا دعوی یہ ہے کہ "ترجمان وہابیہ" کا مقصد موضوع ہی شیخ کو مطعون و مجروح کرنا ہے، حالانکہ یہ دعوی جیسا کہ بیان کیا گیا واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

AsliAhleSunnet.com

نواب صاحب کی تحریروں کا خلاصہ :

یہ ہیں نواب صاحب والاجاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کے چند اقتباسات جن میں انھوں نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات وخیالات کا اظہار کیا ہے، ان میں شیخ الاسلام کے عقیدہ ومذہب کی وضاحت بھی ہے اور ان پر لگائے گئے الزامات کی تردید بھی، ان تحریروں کو پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج قاری شیخ کے بارے میں جو کم از کم تاثر اور رائے قائم کرے گا وہ شیخ مشائخ دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی م ۱۳۲۳ھ کے اس تاثر سے کچھ بہتر ہی ہوگا جس کا اظہار مولانا گنگوہی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ان کے (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے) عقائد عمدہ تھے اور مذہب حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا"۔

(فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۷)

اور محترم مولانا نعمانی صاحب کے نزدیک یہ رائے انتہائی متوازن اور نہایت منصفانہ اور محققانہ ہے۔ (ملاحظہ ہو مولانا نعمانی کی کتاب ص ۴۹) پھر معلوم نہیں نواب صاحب کی رائے جو اس سے بھی بہتر ہے وہ مولانا نعمانی کے نزدیک جرم کے خانے میں کیوں آگئی؟ اور مدنی صاحب کی غیر متوازن اور "نہایت بری رائے" کا ماخذ کیسے بن گئی۔؟

نواب صاحب کی تحریر کو مولانا مدنی کا ماخذ قرار دینا صحیح نہیں۔

نواب صاحب کی مسطورۂ بالا تحریروں اور ان کے تاثرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا کوئی انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ ممدوح بھی ان لوگوں میں تھے جو شیخ الاسلام سے نفرت وعداوت رکھتے تھے یا ان کو عقائد کے لحاظ سے بھی مجروح ومطعون قرار دینا ضروری سمجھتے تھے یا یہ کہ یہ تحریریں بھی ان خرافات وافترآت "کا ایک ماخذ ہیں جن کو مولانا مدنی مرحوم نے "حقائق وواقعات" سمجھ کر اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں نقل کیا ہے اور اس کتاب نے ہندوستان میں شیخ الاسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مہم میں بہر حال ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ یہی کتاب ہے جس نے حلقۂ دیوبند کے عوام ہی نہیں خواص کے بھی نہ جانے کتنوں ذہنوں کو

شیخ اور ان کے متبعین کے بارے میں مسموم کیا اور کر رہی ہے، کیونکہ حلقۂ دیوبند سے اس کی اشاعت کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا ہے۔ ناظرین مذکورہ بالا دونوں قسم کی تحریروں میں جو بالمقابل درج کر دی گئی ہیں، موازنہ ومقابلہ کر کے بیک نظر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا الشہاب الثاقب کی ہفوات کے لیے نواب صاحب کی پاکیزہ تحریروں میں کوئی گنجائش ہے؟ شتان بین مشرق ومغرب۔

مولانا نعمانی محترم نے اگر صرف "تکفیر وقتال" کے معاملے میں نواب صاحب کی کتاب کو بھی مولانا مدنی مرحوم کا ایک ماخذ قرار دیا ہوتا تو یہ بات کسی قدر سہل ہو سکتی تھی کیونکہ خود مولانا مدنی نے شہاب ثاقب میں شیخ الاسلام پر لگائے گئے الزامات کی فہرست میں صرف اسی ایک الزام کے متعلق پیراگراف میں نواب صاحب ممدوح کا حوالہ دیا ہے لیکن مولانا نعمانی نے بدعی سست، گواہ چست، کے مصداق نواب صاحب اور ان کی تحریروں کو جس طرح علی الاطلاق مولانا مدنی کی غلط فہمی کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے وہ بہر حال حقیقت کے بالکل برعکس اور مکمل طور پر مغالطہ آمیز ہے، اس سے ہر قاری پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ نواب والاجاہ کی تحریروں میں بھی شیخ کے متعلق وہ ساری بے سروپا باتیں، جھوٹے الزامات اور خرافات ولغویات موجود ہیں جو الشہاب الثاقب کا طرۂ امتیاز ہیں، بلکہ جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا مولانا نعمانی کی تحریروں کا اصل منشا اور اشارہ یہی ہے کہ قصور در اصل نواب صاحب اور زینی دحلان مکی وغیرہ کا ہے۔ اور مولانا مدنی محض ناقل ہیں۔ انھوں نے اگر حقیقت حال کی جستجو وتحقیق نہیں کی بلکہ اس کی ضرورت بھی نہ سمجھی اور محض افواہوں اور مخالفین کے اقوال پر اعتماد کر کے اتنے سنگین الزامات لگا دیئے تو یہ نہ قصور ہے نہ تعجب انگیز و ناقابل فہم۔ مولانا نعمانی کی وہ عبارت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے۔ ناظرین ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں۔

" تو جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا واقعہ یہی ہے کہ . . . . .
مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے بھی اسی عام شہرت کی بنا پر اور شیخ احمد دحلان مکی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم جیسے اہل علم کی تحریروں پر اعتماد کر کے ان خرافات و افترا ات کو حقائق و واقعات سمجھ کر نقل کر دیا، بلکہ مولانا نے نواب صاحب مرحوم کی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔"

(ص ۸۸، ۸۹)

دیکھیے! کیا اس تحریر کا صاف اور واضح مقصد یہ نہیں ہے کہ مولانا نعمانی کسی ایک الزام کی بابت

نہیں بلکہ ان ساری ہی خرافات وافترارات کی بابت جن کا "الشہاب الثاقب" میں ذکر ہے، یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سب کا یا اکثر کا ماخذ نواب صاحب کی تحریریں بھی ضرور ہیں، ...... باقی رہا یہ سوال کہ مولانا نعمانی نے یہ تاثر دینے میں حقیقت پسندی سے کام لیا ہے یا فریب کاری و مغالطہ دہی اور الزام تراشی و دروغ بافی سے؟ تو ہماری تفصیلی وضاحت کے بعد اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: ممکن ہے بعض ناظرین کو یہ شبہ ہو کہ راقم الحروف نے یہاں نواب صاحب والاجاہ کی محولہ بالا کتب سے صرف وہی تحریریں اقتباس کر کے پیش کی ہیں، جن میں شیخ الاسلام کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور وہ تحریریں جن میں شہاب ثاقب کے "الزامات" کا ذکر ہے، عمداً نظر انداز کر دی ہیں۔ مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ محولہ بالا کتب میں زیر بحث الزامات کا واقعی ذکر نہیں ہے، ان کتابوں کا مطالعہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

نواب صاحب اور مولانا مدنی کی تحریروں میں اختلاف و تضاد:

اگر مولانا نعمانی مدظلہ کا یہ خیال صحیح ہے اور انہیں اس پر اصرار ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے خلاف "الشہاب الثاقب" میں جو بے سروپا باتیں لکھی گئی ہیں، ان کو لکھتے وقت نواب والاجاہ کی تحریریں بھی مولانا مدنی کے پیش نظر تھیں اور ان پر انھوں نے اعتماد اور ان سے اخذ و اقتباس کیا ہے تو ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ پھر ان دونوں کی تحریروں میں اس درجہ اختلاف کیوں ہے؟ کہ:

- نواب صاحب، شیخ الاسلام کو عالم متبع کتاب و سنت، دیندار، عابد، خداپرست، ماحی شرک و بدعت، فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ادا کرنے والا، اور شریعت اسلامیہ کا احیار کرنے والا لکھتے ہیں اور دل سے ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ——— اور مولانا مدنی، شیخ ممدوح اور ان کے ساتھیوں کو... شقی القلب، خبیث، ضعیف الاعتقاد، بدعقیدہ، رسول کریم اور سلف صالحین کی شان میں گستاخ و بے ادب، ظالم و فاسق وغیرہ وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ (معاذاللہ)

- نواب صاحب، شیخ الاسلام کو اہل سنت وجماعت کے موافق بتاتے ہیں ——— اور مولانا مدنی ان کو گروہ اہلسنت وجماعت کا مخالف کہتے ہیں۔

AsliAhleSunnet.com

• نواب صاحبؒ ان کو حنبلی المذہب اور امام احمد بن حنبل کا پیرو اور مقلد لکھتے ہیں ___ مگر مولانا مدنیؒ کہتے ہیں کہ وہ مقلد نہیں تھے بلکہ تقلید کو شرک فی الرسالہ جانتے تھے۔

• نواب صاحب اپنے اور اپنی جماعت کے بارے میں بار بار اور صاف صاف لکھتے ہیں کہ ہم اہلحدیث ہیں، کتاب وسنت کے پیرو ہیں، اور محمد بن عبدالوہاب کیا متقدمین علماء وائمہ میں سے بھی کسی کے مقلد نہیں ہیں ___ مگر مولانا مدنی اس کے بالکل برخلاف لکھتے ہیں کہ یہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ (وہابیہ نجدیہ) کے پیرو ہیں۔

• نواب صاحب، شیخ کے حالات لکھتے ہوئے اپنی متعدد کتابوں میں صحیح صحیح تاریخ درج کرتے ہیں کہ شیخ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ ___ مگر مولانا مدنی کی معلومات کا یہ حال ہے کہ وہ لکھتے ہیں: "صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی میں نجد سے ظاہر ہوا۔"

نوابؒ صاحب کے عمدہ تاثرات کیوں نظر انداز کر دیے گئے؟:

نیز یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی مولانا مدنیؒ نے نواب صاحب مرحوم کی تحریروں پر اعتماد کیا ہے تو نواب صاحب ممدوح کی مسطورہ بالا قسم کی تحریریں کیوں کسی درجہ میں درخور اعتنا نہیں سمجھی گئیں؟ مولانا مدنی مرحوم نے نواب صاحب کا جو ایک جگہ حوالہ دیا ہے، تو ان کی کسی کتاب کا نام نہیں لیا ہے، مگر مدنی صاحب موصوف کے اس جملہ سے کہ "نواب صدیق حسن خاں نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں (تکفیر و قتل مخالفین) کی تصریح کی ہے[1]" (ص ۴۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کی کسی ایسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے جس کا موضوع "ترجمہ وتذکرہ" ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ کتاب "اتحاف النبلاء" یا "التاج المکلل" ہوگی مگر ان دونوں میں سے کسی میں بھی شہاب ثاقب کی زیر بحث لغویات موجود نہیں ہیں اول الذکر میں تو صرف یہی نہیں کہ شیخ الاسلام کا ترجمہ عمدہ اور اچھے انداز میں لکھا گیا ہے جو بقول مولانا

---

[1] مولانا کے انداز تحریر اور لفظ "خود" کی تصریح سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مولانا کو معلوم ہے کہ نواب صاحب بنیادی طور پر شیخ کے موافق و موید ہیں مگر اس کے باوجود چونکہ وہ بھی "تکفیر و قتال" کے باب میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں، اس لیے اس کا حوالہ دیا گیا کہ گویا یہ ایک شیخ کے حمایتی کی ان کے خلاف شہادت ہے۔

AsliAhleSunnet.com

مسعود عالم ندوی حقیقت سے قریب تر ہے بلکہ اس میں شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے رسالہ کا جو خلاصہ درج ہے اس کے اندر مولانا مدنی کے ذکر کردہ الزامات کی تردید بھی ہے پھر نواب صاحب کی یہ کتاب حقیقت سے بعید تر بلکہ خرافات کا ماخذ کیسے ہوسکتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ہویدا ہو جاتی ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح نہیں، کہ مولانا مدنی مرحوم نے شیخ الاسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سلسلہ میں انھوں نے نواب صاحب مرحوم کی بھی تحریروں پر اعتماد کیا ہے اور ان کو بھی اپنا ماخذ بنایا ہے۔

مولانا مدنی کی تحریر میں اس کا قرینہ:

بلکہ خود مولانا مدنی رح کے رجوع سے متعلق جس اخباری بیان کا حوالہ دیا جاتا ہے [1] اس میں بھی اس کا قرینہ موجود ہے (کیونکہ مولانا نے اس میں صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ شیخ کے خلاف ان کے ماخذ وہ ہیں "افواہیں" اور "مخالفین کے اقوال" اور نواب صاحب شیخ کے مخالفین میں نہیں کہے جا سکتے۔ ان کو بعض مسائل میں شیخ سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن "اختلاف" اور "مخالفت" میں بہت فرق ہے ضروری نہیں کہ جو کسی سے بعض مسائل میں اختلاف رکھے وہ اس کا مخالف بھی ہو، جیسے محترم مولانا نعمانی صاحب کو حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بعض امور میں اختلاف تھا اور گزشتہ دنوں دارالعلوم دیوبند کے قضیہ میں انھوں نے اس کا پوری بے باکی کے ساتھ کھل کر اظہار بھی کیا، اور آج بھی قاری صاحب مرحوم کی غلطی کو مولانا نعمانی غلطی ہی کہ رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود مولانا ئے محترم یہ پسند نہیں کریں گے کہ انھیں قاری صاحب مرحوم کے مخالفین میں شمار کیا جائے اور خود مولانا مدنی مرحوم سے حضرت قاری صاحب رح کو بعض امور میں "بحث کے ساتھ" اختلاف تھا، مگر آپ کو ان کے مخالفین میں مولانا نعمانی صاحب بھی غالباً شمار نہیں کرتے ہوں گے ،،

(باقی آئندہ)

---

[1] واضح رہے کہ یہ اخباری بیان صحیح نہیں۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

AsliAhleSunnet.com

تمباکو، بیڑی اور سگریٹ نوشی

خورشید احمد سلفی، استاذ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال

ملت اسلامیہ کا یہ انتہائی زبردست المیہ ہے کہ آج اس کی گاڑھی کمائی کا ایک معتد بہ حصہ خلافِ اسلام امور اور منکرات و منہیات میں ایسی بے دردی سے صرف ہو رہا ہے کہ جس کے لیے شریعت اور عقل و منطق کے نقطۂ نظر سے کوئی جواز نہیں ہے۔ ہمدردانِ ملت کو اس مہلک ترین مرض کے عام ہونے کا غم ہے اور مداوا کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ لیکن یہ مرض ایسا ہے کہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تمباکو، بیڑی، سگریٹ نوشی بھی اسی قبیل سے ہیں۔ آج ان کا اس قدر زور ہے کہ خرد و کلاں، پیر و جواں، فقراء و اغنیاء سبھی اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اور مقامِ تعجب بلکہ مقامِ حسرت ہے کہ علماء کرام جنھیں ملت کی رہبری و پیشوائی کا شرف حاصل ہے وہ بھی اس سے دوچار ہیں اور ان کے جواز پر ایسی لاطائل دلیلیں پیش کرتے ہیں جن کو سن کر سر دھننا پڑتا ہے اور بے ساختہ یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

لیکن یہ تجربہ ہے کہ جب کوئی فعلِ قبیح کسی قوم و معاشرے میں عموماً بلوی کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کی قباحت کا احساس دلوں سے جاتا رہتا ہے اور کھلے عام اس کا ارتکاب ہوتا ہے۔ بس یہی معاملہ یہاں بھی ہے ورنہ شریعت سے ان چیزوں کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

البتہ علماء نجد و حجاز نے اس لایعنی کام کی سنگینی اور برے اثرات کو محسوس کیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی پوری چھان بین کر کے ان کی حرمت کا فتویٰ صادر فرما دیا ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں بھی یہ بات خوش آئند ہے کہ نوجوان سلفی علماء بھی ان چیزوں کے استعمال کی شناعت کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کرتے دکھائی پڑتے ہیں، اگر کوشش برابر جاری رہی تو امید ہے کہ افرادِ امت ضرور اس کو سمجھنے اور عمل کرنے

AsliAhleSunnet.com

کی طرف توبہ مبذول کریں گے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ زیر نظر مضمون میں اسی مسئلہ پر چند پہلوؤں سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

تمباکو کا فروغ: سولھویں صدی عیسوی سے قبل لوگ تمباکو سے ناواقف تھے۔ پہلے پہل تمباکو براعظم امریکہ کے ملک میکسیکو کے علاقہ تباگو میں پایا گیا، اسی مناسبت سے اس کا نام تمباکو پڑ گیا۔

۱۵۳۰ء میں اہل اسپین نے اس کی کاشت شروع کی پھر آہستہ آہستہ یہ خبیث پودا بلاد یورپ سے پھیلتا ہوا چین وجاپان پہنچا اور پھر پورے ایشیا وافریقہ میں پھیلا، اور ایسی قبولیت عامہ حاصل کی کہ جزو زندگی بن گیا اس کے رسیا کی زندگی اسی پر منحصر ہو کے رہ جاتی ہے اور پھر ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

تمباکو کے استعمال میں جتنے مضرات پنہاں ہیں اگر ان پر تفصیلی بحث ونظر کی جائے تو ایک کتابچہ تیار ہو جائے۔ یہاں صرف مختصر طور پر چند باتیں پیش کی جارہی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ عامۃ الناس جس چیز کو کوئی اہمیت نہیں دیتے وہ ان کی معیشت اور صحت وغیرہ کے لیے کتنی ضرر رساں ہے۔

فتور: شریعت اسلامیہ کی کوشش ہے کہ اس کے پیروکار دانشمندی کی روش پر برقرار رہیں، وہ کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کریں جس سے ان کا ذہن ماؤف اور اعضاء وجوارح مضمحل ہوں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۸) یعنی رسول پاک نے ہر نشہ آور اور فتور آور چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ تمباکو نشہ آور ہو نہ ہو لیکن اس کے مفتر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے۔ ایسا شخص جس نے تمباکو کا استعمال نہ کیا ہو اگر تھوڑا سا بھی اسے کھلا دیا جائے تو اس کی حالت دگرگوں ہو جائے گی، اور وہ قے، چکر، ضعف اعضاء ورعشہ کا شکار ہو جائے گا۔ لہٰذا اس حدیث پاک سے بیڑی، سگریٹ، تمباکو کا منہی عنہ ہونا بالکل واضح ہے۔

تبذیر: باری تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

AsliAhleSunnet.com

لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ہ (بنی اسرائیل) یعنی ناطے والوں اور مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کیا کرو اور فضول خرچی میں مال و دولت ضائع مت کرو۔ کچھ شک نہیں کہ فضول خرچ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بالکل ناشکرا ہے۔

گویا کہ فعل تبذیر شیطان کا بھائی ہونے کو مستلزم ہے تو جو اس کا کسی بھی حیثیت سے بھائی ہوگا تو شیطان ہی کی طرح اپنے رب کا ناشکرا ہوگا۔

تبذیر کہتے ہیں بے محل خرچ کو جیسے کوئی شخص اپنا روپیہ سمندر میں پھینکے۔ تو تمباکو کا معاملہ اس سے کچھ الگ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تمباکو کے خوگروں سے اس کے فوائد کو دریافت کیا جائے تو سوا اس کے کہ جناب! ایک چسکا لگ گیا ہے اور کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

ہلاکت آفرینی: اسلام صراطِ مستقیم ہے اور اس کا فطری تقاضہ ہے کہ اپنے ماننے والوں کی صحت جسمانی وصحت روحانی کا بھرپور خیال رکھے۔ انھیں کسی ایسی چیز کی اجازت نہ دے، جس سے انھیں بلا وجہ ضرر پہنچے، اور ہلاکت و بربادی سے دو چار ہوں۔ چنانچہ اسلامی احکام و اعمال کا تجزیہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ ان میں کس قدر صحت و توانائی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ نیز سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ طب نبوی میں کس قدر حفظانِ صحت کی تعلیم موجود ہے۔ زاد المعاد وغیرہ میں اس تعلیم کو بتفصیل دیکھا جا سکتا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُلْقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ۔ (سورہ بقر) یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور آج دنیا کے تمام اطبا کا اتفاق ہے کہ تمباکو میں نکوٹین پائی جاتی ہے جو ایک نہایت زہریلا مادہ ہے۔ ایک سیر تمباکو میں تقریباً ایک تولہ زہر ہوتا ہے۔ اور یہی نکوٹین عموماً کینسر کا سبب بنتا ہے نیز گلے پھیپھڑے وغیرہ کی دوسری مہلک بیماریوں کا محرک بنتا ہے۔ چنانچہ امریکہ وغیرہ میں کینسر کی سو سائٹیاں وقتاً فوقتاً سگریٹ کے زہر سے مرنے والوں کی تعداد شائع کرتی رہتی ہیں۔ ۲۶ سال پہلے کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ امریکہ میں گزشتہ پانچ سالوں میں ۱۱۸۷ سگریٹ نوش سرطان سے مر گئے ہیں۔ (منہاج لاہور ۹ جولائی ۱۹۵۸ء) اور اب امریکی وزارت صحت کے بیان کے مطابق امریکہ میں ہر سال ساڑھے تین لاکھ انسان سگریٹ کے سبب مرتے ہیں۔ (الامہ قطر جنوری ۱۹۸۲ء)

علاوہ ازیں دوسری جنگ عظیم کے بعد صرف برطانیہ میں دس لاکھ انسان سگریٹ کے سبب فوت ہوئے۔

AsliAhleSunnet.com

نظافت: اسلام میں جہاں اور بیشمار خوبیاں ہیں وہیں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ صفائی وستھرائی کا مذہب ہے، اس نے صفائی ونظافت پر جتنا زور دیا ہے دنیا کے کسی مذہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ حدیث کی تمام کتابوں میں طہارت کا مستقل باب موجود ہے۔ طہارت ہی پر زور دیتے ہوئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لولا ان اشق علی امتی لأمرتھم بالسواك عند كل صلوة۔ یعنی اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ طہارت ونظافت ہی کے پیش نظر آپ نے کچا پیاز اور لہسن کھاکر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث۔ یعنی آپ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ تمباکو کو کوئی صاحب ذوق آدمی پاکیزہ چیزوں میں شمار نہیں کرسکتا ہے۔ اسکا استعمال کرنے والوں کے منہ سے عجیب کریہ بو آتی ہے تو جب لہسن و پیاز کھاکر مسجد میں آنے سے منع کیا کہ جس کی بو تھوڑی سی دیر باقی رہتی ہے تو تمباکو خور وسگریٹ نوش کا منھ ہر دم بدبو کرتا ہے اور اس کو مسجد میں آنے کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے۔

سوال کی ذلّت: اسلام عزت ووقار، شرافت وخودداری کا مذہب ہے اور اپنے ماننے والوں کو ہر طرح کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ولا تسألن احدا شیئا وان سقط سوطك۔ کسی سے ہرگز کوئی چیز نہ مانگنا، اگرچہ تمھارا کوڑا ہی کیوں نہ گر گیا ہو۔ اور ادھر حال یہ ہے کہ ان حقیر چیزوں کے شوقین ہر کس وناکس کے سامنے سفر وحضر میں دست سوال دراز کرتے دکھائی پڑتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ منھا)

قابلِ عبرت واقعہ: جماعت اہلحدیث ہند کے مشہور و مایۂ ناز عالم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں مدرسی کے زمانہ میں اپنے ایک شاگرد کو اس بنا پر مارا تھا کہ وہ پان کھاکر درس میں آیا تھا۔ بعد میں پان خوری کی بابت نصیحت کرتے ہوئے طلبہ کو حافظ صاحب نے فرمایا کہ تم پان کھاتے ہو، میرا اس میں کوئی نقصان نہیں۔

AsliAhleSunnet.com

نہ میرا پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ محض تمہاری بھلائی مقصود ہے۔ کسی چیز کی عادت ڈالنا خطرناک ہے، اگر تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے تو اپنی عادت سے مجبور ہو کر چوری کر کے کھانے کی کوشش کرو گے، چوری کرنے والے کی سزا کیا ہوتی ہے تم کو خوب معلوم ہے اور اگر چوری نہیں کرتے تو طلب پوری نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم کسی چیز کے عادی نہ بنو۔ اور سنو میں خود پان کھاتا تھا، حقہ کا بھی عادی تھا اور کھینی (چونے میں ملا ہوا تمباکو) بھی کھایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دہلی سے لڑکی کی علالت کا تار آیا اور میں عجلت میں دہلی جانے کے لیے گاڑی میں سوار ہو گیا۔ راستے میں ایک غیر مسلم کو کھینی کھاتے دیکھا تو میرا بھی جی چاہا شکم میں قراقر بھی تھا۔ تھیلی ڈھونڈی تو معلوم ہوا کہ وہ گھر بھول آیا۔ مانگنا خودداری کے خلاف سمجھتا تھا لیکن مجبور ہو کر اس غیر مسلم سے کھینی طلب کی، اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ کھینی کھانے کا شوق ہے تو پیسے خرچ کرو۔ یہ سن کر میرے دل کو شدید چوٹ لگی اور اسی وقت عہد کیا کہ اب کبھی تمباکو نہیں کھاؤں گا چنانچہ اس تاریخ سے آج تک بھول کر بھی تمباکو نہیں کھائی۔ تو میں اسی لیے تم کو تمباکو خوری سے منع کرتا ہوں۔

(اخبار اہلحدیث دہلی یکم اگست ۱۹۵۹ء)

حضرت حافظ صاحب کو جو اعلیٰ مرتبہ علمی و دینی حلقوں میں حاصل تھا وہ ارباب علم سے مخفی نہیں، لیکن اس حقیر تمباکو کی بنا پر سوال کرنا پڑا اور دل کو ٹھیس لگوانی پڑی۔ معلوم ہوا کہ کبھی اچھے اور باوقار آدمیوں کو ایسی معمولی چیزوں کی بنا پر رسوا ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا ایسی چیز جو باعث رسوائی ہو، اس کا استعمال کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

شریعت کا یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ خواب کے ذریعہ احکام وغیرہ ثابت نہیں ہوتے۔

خواب

البتہ ان سے استیناس کیا جا سکتا ہے، اس لیے ہم بھی یہاں بعض بزرگوں کے خواب محض تقویت کے لیے پیش کر رہے ہیں، کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: الرویا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من النبوة۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹۴) یعنی نیک خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ لاہور میں دو درویش رہتے تھے۔ ایک تمباکو نوش عالم تھے، دوسرے درویش ان پڑھ تھے جو تمباکو نوشی سے پرہیز کرتے تھے۔

AsliAhleSunnet.com

دونوں خواب میں حضور کی بارگاہ میں پہنچے اور اس عالم میں یوں محسوس ہوا کہ ان پڑھ درویش تو حضور کی مجلس میں بیٹھے ہیں لیکن تمباکو نوش عالم دین کو مجلس میں آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ ان پڑھ درویش نے اسی عالم رویا میں شرکاء مجلس سے اس کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے بتایا کہ چونکہ تمباکو حضور کو ناپسند ہے اور عالم دین تمباکو نوش ہے اس لیے اس کو اجازت نہیں دی گئی۔ جب صبح ہوئی تو از راہ نصیحت یہ شخص اس صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے عالم دین کے پاس گیا، گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس کو اس کے رونے اور آہ و فغاں کی آواز سنائی دی جب اندر داخل ہوا تو رونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے رات والے خواب کی تفصیل بتائی، ان پڑھ درویش نے سن کر کہا، میں نے شرکاء مجلس سے اجازت نہ دینے کی وجہ پوچھی تھی، انھوں نے آپ کی تمباکو نوشی کو اس کا سبب بتایا تھا یہ سن کر اس عالم دین نے حقہ اور تمباکو نوشی کے بارے لوازمات توڑ پھوڑ کر اللہ کے حضور میں اس سے سچی توبہ کی۔ اب کی رات ہوئی سو پھر خواب کا وہی عالم پیش آیا گویا کہ دونوں حضور کی مجلس میں ہیں، اور عالم دین سب سے زیادہ حضور کے قریب بیٹھے ہیں اور حضور کی خصوصی عنایات والطاف سے سرفراز ہو رہے ہیں۔

(سہ روزہ منہاج لاہور ۱۷ر جولائی ۱۹۵۸ء بحوالہ انفاس العارفین ص ۷۹)

معروضات بالا سے معلوم ہوا کہ جس چیز میں اس قدر دینی و دنیاوی، طبی و روحانی اسرار پوشیدہ ہوں اس کا استعمال مسلمانوں کے لیے کسی بھی طرح درست نہیں۔ امید ہے کہ قارئین با تمکین نہایت سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور فرمائیں گے اور ملت کے سرمایہ کو اس فضول ولایعنی چیز میں صرف ہونے سے بچائیں گے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لا تزال قدما عبد یوم القیامة حتی یسئل عن أربع، عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وعن علمه ماذا عمل فیه۔ یعنی قیامت کے دن کسی بھی بندے کے پیر ٹس سے مس نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال کر لیا جائے، اس کی عمر کے بارے میں کہ اس کو کہاں گنوایا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس کو کہاں صرف کیا اور اس کے مال کے بارے میں کہ اس کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور علم کے متعلق کہ اس پر کتنا عمل کیا۔

بس بیڑی، سگریٹ، تمباکو میں مال کو دھڑلے سے صرف کرنے والوں کو بڑے غور سے سوچنا چاہیے کہ قیامت کے روز کیا جواب دیں گے۔ (وما ارید الا الاصلاح)

•••

AsliAhleSunnet.com

بزم طلبہ

اردو نثر کا ارتقاء اور ولی اللٰہی تحریک

مظہر علی انصاری
(متعلم جامعہ)

انیسویں صدی کی سب سے جاندار اثر انگیز اور مشہور و معروف تحریک کو ولی اللٰہی تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس تحریک کا سرچشمہ درحقیقت شاہ ولی اللہؒ ہی کے افکار و خیالات تھے اور اس وقت سے لے کر آج تک جتنی بھی موثر تحریکات برصغیر میں اٹھی ہیں، سب پر اسی کی چھاپ نظر آتی ہے۔

شاہ صاحب کی ولادت عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۱۱۱۴ھ میں ہوئی اور وفات شاہ عالم کے عہد میں ۱۱۷۶ھ میں۔ اس طرح شاہ صاحب کو دس سلاطینِ دہلی اور ان کے عہدِ حکومت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس عہد میں ہندو اور مسلمانانِ ہند کی کیا حالت تھی اور انھیں کن کن لرزہ خیز واقعات و حوادث سے گزرنا پڑا۔ اس سے کون واقف نہیں۔ شاید تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اس طرح کی عبقری شخصیتیں تاریخ کے ایسے ہی دور میں پیدا ہوتی ہیں جسے دورِ زوال و انحطاط کہا جاتا ہے تہذیب کے کھنڈر پر ہمیں کچھ نہ کچھ رونے والے ملتے ہیں، جن کے گریہ نیم شبی اور آہِ سحرگاہی نے قوموں کو دل و جگر کی گرمی عطا کی ہے انھیں نئے سرے سے جوش و جذبے اور ولولوں سے روشناس کیا ہے، ان میں نئی زندگی کی روح پھونکی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کی پیدائش کا زمانہ قوموں کا دورِ زریں نہیں ہوتا بلکہ عموماً دم توڑتی ہوئی تہذیب کے کھنڈر اور بگڑے ہوئے سماج کے ملبے پر کسی عمر بن عبدالعزیزؒ کا، کسی ابن تیمیہ کا، کسی صلاح الدین ایوبی کا، کسی محمد بن عبدالوہاب کا، کسی شاہ ولی اللہؒ کا اور کسی اسماعیل شہید کا وجود ہوتا ہے۔

کچھ یہی صورتحال اس برصغیر کی تھی۔ ساداتِ بارہ کی فتنہ انگیزی، ان کا تسلط و زوال، ایرانی و تورانی

AsliAhleSunnet.com

امرار کی رقابت درسہ کشی، شاہانِ مغل کی بے کسی، سکھوں کی غارت گری، مرہٹوں کی بغاوت، یوروپین اقوام کی ہندوستان پر حریصانہ نگاہیں۔ انگریزوں کا بنگال و بہار میں عمل دخل اور پورے ہندوستان پر حکومت کی کوشش مسلمانوں کی زبوں حالی، مذہب سے دوری، اخلاقی گراوٹ و پستی، اقتصادی بدحالی، امرار کی عیش پرستی اور علمار کی بے حسی۔ یہ تھے وہ حالات و انقلابات اور اٹھارہویں صدی کے اخیر اور انیسویں صدی کے آغاز کا ہندوستان جس میں شاہ ولی اللہ نے آنکھ کھولی، شاہ صاحب نے علوم ظاہری و باطنی سے فراغت کے بعد قوم و ملک کے زوال اور علمی و فکری انحطاط کے اسباب کا جائزہ لیا اور سوسائٹی کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنا اہم بالشان تحریک شروع کی، جو سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور سماجی بھی تھی۔ زبان و قلم، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعہ امتِ مسلمہ کو بیدار کیا۔ انھیں اتحاد اور خالص اسلام کی طرف لوٹنے اور عملی زندگی میں اسے اپنانے کی دعوت دی اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنی دعوت و تحریک کو آگے بڑھانے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے صاحبزادگان اور رفقار کی ایک عظیم جماعت بھی تیار کی، جس نے تعلیم و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ انقلابی تحریک کو آگے بڑھا کر اسے عمل کا راستہ دکھایا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیل شہید نے ان کے افکار و نظریات کی تنقیح و تہذیب اور عقائد میں راستگی و پختگی پیدا کرتے ہوئے سید احمد شہید کی رفاقت و امارت میں وعظ و تبلیغ کے ذریعہ رسوم و معاشرت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عوام میں رابطۂ اتحاد اور ولولۂ جہاد پیدا کیا، اور اس تحریک کو ایک متحرک عوامی، جہادی اور انقلابی تحریک میں بدل دیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پر چھا گئی اور آج برصغیر میں جہاں کہیں بھی کچھ روشنی نظر آتی ہے اسی تحریک کا جہاد کا پرتو اور عکس ہے۔

یہ تحریک اگرچہ اصلاً دینی، تجدیدی، اصلاحی اور احیائی تحریک تھی، تاہم اس کی صنوفشانی سے اردو ادب بھی سنورتا رہا۔ یعنی جدید اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقار میں اس کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آئندہ سطور میں اسی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید نثر کی تعمیر و ترقی میں اس تحریک کا کیا رول رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ جدید اردو نثر کی ہیئت کذائی کا پتہ لگانے کے لیے اردو نثر کی ابتدائی نشوونما پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

مورخین زبانِ اردو کا عام خیال ہے کہ نثر کی ابتدائی نشوونما کا فخر دکن کو حاصل ہے، شمالی ہند میں فضلی کی دہ مجلس ۱۱۴۵ھ اور کربل کتھا اردو کی پہلی تصنیف خیال کی جاتی تھیں مگر موجودہ تحقیق نے حضرت سید

AsliAhleSunnet.com

محمد گیسو دراز کی تصنیف معراج العاشقین کی عبارت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ اردو نثر کی تخم ریزی نویں صدی ہجری سے قبل ہو چکی تھی اور نشو و نما نویں صدی ہجری میں ہوئی۔ چنانچہ دکن کے ایک بزرگ میران جی شاہ م ۹۰۲ھ کے کئی رسالے ملتے ہیں اور ادبی نقطۂ نگاہ سے اس دور کی کتابوں میں وجہی کی "سب رس" قابلِ ذکر ہے، جس کا سن تصنیف ۱۰۴۵ھ ہے اور قدیم اردو میں خاص ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے۔ انیسویں صدی سے قبل اردو نثر کا عام انداز یہی تھا اور یہی کمالِ فن تصور کیا جاتا تھا، قافیہ پیمائی اور سجع کی رعایت کی جاتی تھی، بعید از کار تشبیہات و استعارات کا استعمال، فارسی و عربی الفاظ سے عبارت کی تزئین کاری اور پُر تکلف اندازِ بیان عبارت کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیتا تھا۔ اس دور کی نثر اور عوام کی پسندیدگی کا اندازہ رجب علی بیگ سرور کی مشہور و معروف کتاب فسانۂ عجائب سے لگایا جا سکتا ہے اور اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نادر شاہ کا قاصد جب ہندوستان آیا تو محمد شاہ کے منشیوں نے القاب و آداب کی جستگی کی سوچ میں تین سال صرف کر دیے۔ اس طرزِ نگارش اور اسلوب کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہاں فارسی کا غلبہ و اقتدار تھا، جس سے اردو نثر کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ دوسری وجہ تھی شعر و شاعری کا چسکا، نظم و شعر کی ہر دلعزیزی و دلکشی چنانچہ فضلی کی دہ مجلس اور مرزا حسین خان تحسین کی نوطرز مرصع (چہار درویش (ترجمہ) وغیرہ کی عبارت کچھ اسی قسم کی مقفیٰ و مسجع ہے اور ان کا اندازِ بیان پوری طرح پر تکلف ہے۔ لیکن تکلفاتِ نثری کا یہ طلسم تا دیر باقی نہ رہ سکا اور رفتہ رفتہ یہ انداز و اسلوب بالکل متروک ہو گیا بلکہ اسے ایک عیب سمجھا جانے لگا اور اب ترقی پذیر یا ترقی یافتہ اردو ادب میں سلاست و روانی، سہل و آسان اسلوب کو فنی حیثیت سے باعثِ کمال سمجھا جاتا ہے۔ اور مفہوم و معانی کو اولیت اور طرزِ ادا کو ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خاں کو اس جدید نثر کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے جدید نثری اسلوب کی بنیاد ڈالی، ان کی پرانی رسموں کو توڑا، پُر تکلف اسالیب فارسی سے اردو نثر کو آزاد کرتے ہوئے اسلوب میں جدید رجحانات کے لیے راستہ صاف کیا۔ نری عبارت آرائی کے خلاف آواز اٹھائی اور طرزِ ادا کے مقابلے میں مدعا نویسی اور مطلب نگاری کو مقصدِ اولین ٹھہرایا اور پھر فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج نے جدید نثری اسلوب اور سادہ و سلیس عبارتوں کو رواج دیا۔ لیکن یہ بات تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کا بیان ہے کہ سر سید کے یہاں بھی جو آزادیٔ خیال، جرأتِ گفتار اور بے باکی ہے، اس کا سر چشمہ بھی دراصل

AsliAhleSunnet.com

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریریں اور تقریریں ہیں۔۔، میرے خیال میں اس پر تھوڑا سا یہ اضافہ بھی تاریخی حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ سرسید کے یہاں جو سادگی، بے تکلفی، مدعا نویسی اور طرز ادا کی ثانوی حیثیت پائی جاتی ہے وہ بھی دراصل مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کی تحریک کے مجاہدین کے قلم کی صدائے بازگشت ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا یہ تحریک دراصل ایک تجدیدی اور احیائی تحریک تھی جس کا مقصد اصلاح رسوم و معاشرت، احیاء اسلام اور تجدید دین تھا، اس مقصد کے حصول کے لیے اصحاب تحریک نے زبان و قلم دونوں کا سہارا لیا۔

اس تحریک کے راہ نماؤں نے بڑی تعداد میں رسالے اور کتابچے لکھے اور عوام و خواص میں ان کی خوب خوب اشاعت کی، ان رسالوں اور کتابچوں کی مذہبی اور تاریخی حیثیت مسلّم مگر ان کا ادبی پہلو بھی کم اہم نہیں۔ ... لوگ قلم کا مقصد وہی تھا جو تیغ زبان کا یعنی سنت نبوی کی اشاعت، بدعات و خرافات سے حفاظت، اصلاح رسوم و معاشرت اور اپنے خیالات کو واضح اور موثر انداز میں پیش کرنا، اس لیے باتیں مدلل اور طرز تحریر منطقی ہوتا، جذباتی اور پر تکلف نہیں۔ نثر بھی سادی اور سلیس ہوتی، علمیت کا تکرار اور تصنع و تکلف سے بوجھل نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سب کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود نثر کو نثر بنانے اور شاعری سے گلو خلاصی حاصل کرنے اور اس سادہ و سلیس نثر کو رواج دینے میں ان رسالوں اور کتابوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

پروفیسر کلیم الدین "اپنی تلاش میں" لکھتے ہیں:

"یہ رسالے یہ کتابیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچیں جو موافق تھے انھوں نے پڑھا ہی اور مخالفین نے بھی پڑھا اور اپنے اپنے طور پر متاثر ہوئے۔ ان رسالوں اور کتابوں کا اردو نثر کو نثر بنانے اور تصنع سے پیچھا چھڑانے میں بہت بڑا ہاتھ تھا، جس کو اردو ادب کے مورخ نے ابھی نہیں سمجھا.........."

"..... یہاں نثر سے نثر کا ہی کام لیا گیا اور ایسا ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے، جس کو آگے چل کر نو قلموں شکل میں پیش کیا جا سکے اور یہی اس نثر کی اہمیت ہے۔"

اس تحریک کی بدولت اردو نثر میں گراں قدر اضافے اور ترجمے بھی ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ترجمۂ قرآن کے ذریعہ قرآن فہمی کی جو بنیاد ڈالی تو یہ سلسلہ و روایت ان کے خاندان میں قائم رہا۔ آپ کے صاحبزادے

AsliAhleSunnet.com

مولانا رفیع الدین نے سب سے پہلے قرآن کا ترجمہ اردو زبان میں کیا، اس کے بعد انھی کے برادر بزرگوار شاہ عبدالقادر نے ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں زبان کے صحیح اصول اور تبلیغی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کا اردو ترجمہ کیا جو زبان و بیان کے لحاظ سے انتہائی قدر و قیمت اور اہمیت کا حامل ہے، ترجمے کے ساتھ موضح القرآن کے نام سے تفسیری حاشیہ بھی بڑھایا، بطور نمونہ موضح القرآن کے دیباچے سے ایک دو جملہ ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے، جس سے ان کے زبان و بیان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"اس نبی امت پر درود اپنی رحمت کا مل سے درجات اعلیٰ نصیب کر جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی، اور اپنی عنایت ہمیشہ ان پر روز افزوں رکھ، دنیا و آخرت میں۔"

قرآنی ترجمے اور مذہبی خدمت کے یہ پہلے نمونے ہیں جو اردو نثر میں پائے جاتے ہیں، اس طرح زبان اردو جو اب تک مذہبی سرمایہ سے تہی دامن تھی، اس تحریک کی بدولت مذہبی عناصر سے مالا مال ہو گئی۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ ترجمے میں کچھ الفاظ بے تہذیبی اور کہیں کہیں الفاظ کی نشست میں کچھ ڈھیلا پن نظر آئے گا۔ مگر اس کی اصل وجہ زبان کا ابتدائی دور اور فارسی و عربی سے لفظی ترجمے کا خیال ہے لیکن اس سے انکار نہیں کہ ترجمہ تبلیغی ضرورتوں کے پیش نظر اصول زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی سادہ، سلیس اور آسان اسلوب میں کیا گیا ہے، تاکہ عوام اس کے معنی و مفہوم کو بآسانی سمجھ سکیں جیسا کہ خود ان کے دیباچہ موضح القرآن سے معلوم ہوتا ہے — "اس بندۂ عاجز کو خیال آیا ہے کہ ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے۔ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں۔ کیونکہ ہندی ترکیب عربی ترکیب سے مختلف ہے، یہ ترجمہ ہندی[1] متعارف میں ہے"

اس تحریک کی تصانیف، رسالے، اور لٹریچر تبلیغی دعوتی ضرورتوں کے تحت لکھے گئے تھے، اس لیے کہ اس کے مخاطبین براہ راست عوام اور اکثر دیہی علاقوں میں اس تحریک کے اثر و نفوذ کی وجہ سے دیہی باشندے بھی تھے۔ اس لیے یہ ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ تصانیف میں عام فہم اور سادہ و سلیس زبان ہی اختیار کی جائے چنانچہ ان لوگوں نے قدیم تکلفات نثر کے طلسم کو توڑتے ہوئے سادہ اور آسان طرز کو اپنایا، جو نہایت مقبول رہا۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان، سیکڑوں مرتبہ شائع ہوئی۔ اتنی مقبولیت اردو کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

---

[1] اس تحریک کے علماء اس عہد کی اردو کو ہندی ہی کا نام دیتے تھے۔

AsliAhleSunnet.com

شاہ اسماعیل شہید کی یہ تصنیف ایسی سلیس، صاف ستھری اور مربوط اردو میں لکھی گئی ہے کہ اس عہد کی اردو کی چند ہی کتابیں اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں، ذرا اس عہد کی زبان کو ذہن میں رکھتے ہوئے تقویۃ الایمان کے اقتباس ذیل کو ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث: انی لا ارید ان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنیها اللہ تعالیٰ انا محمد بن عبد اللہ ورسولہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں۔

"پیغمبر خدا اپنی امت کے بڑے مربی وشفیق تھے اور ان پر بہت مہربان اور رات دن ان کو اپنی امت کے دین ہی درست کرنے کی فکر تھی، سو جب انھوں نے معلوم کیا کہ میری امت کے لوگ مجھ سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور بہت احسان مند ہیں۔ اور یہ دستور ہے کہ جب کسی کو کسی کی محبت ہوتی ہے تو اپنے محبوب کے خوش کرنے کو اس کی تعریف میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ اور جو پیغمبروں کی تعریف میں حد سے بڑھے گا تو خدا کی بے ادبی کرے گا اور اس سے اس کا دین بالکل برباد ہوجاوے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ مجھ کو مبالغہ خوش نہیں آتا، سو میرا نام محمد ہے نہ اللہ نہ خالق نہ رزاق۔ اور سب آدمیوں کی طرح اپنے باپ ہی سے پیدا ہوا ہوں۔ اور بندہ ہی ہونا میرا فخر ہے۔"

سرسید احمد خاں کے یہاں جو خصوصیات نثر، سادگی، بے تکلفی، مدعا نویسی بیان کی جاتی ہے اور اس بنا پر انھیں جدید نثری اسلوب کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے تو کیا یہ خصوصیات جس درجہ تقویۃ الایمان میں موجود ہیں اس سے بھی زیادہ مکمل شکل کے اندر پائی جاسکتی ہیں؟

مولانا خرم علی جو اس تحریک سے وابستہ تھے، انھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتاب "القول الجمیل فی بیان سواء السبیل" کا سلیس اردو ترجمہ کیا۔ ان کی دوسری کتابیں "ہدایۃ المسلمین" اور "نصیحۃ المسلمین" وغیرہ بھی ہیں جن کی زبان سادہ، سلیس، شگفتہ اور عام فہم ہے۔

غرضیکہ ولی اللہی تحریک کی تصانیف اور رسالے اردو نثر کے ارتقا میں انتہائی قدر وقیمت کے حامل ہیں انھوں نے جدید نثری اسلوب کے لیے زمین ہموار کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے اصحاب قلم کا اسلوب تحریر ایسا انوکھا اور زبان ایسی صاف سلیس اور سہل تھی کہ وہ خاصی مقبول رہی اور لوگوں نے اس کا تتبع کیا، اس طرح اس کی سرحدیں مستقبل سے مل گئیں اور اس تحریک نے اس سادہ نثر کے رواج میں جو حصہ لیا وہ فورٹ ولیم کالج یا دہلی کالج سے کسی طرح کم نہیں۔ فورٹ ولیم کالج کی نثر قصوں اور کہانیوں سے آگے نہ بڑھ سکی مگر تحریک نے اسے جملہ حقائق وواقعات کے اظہار کا ذریعہ بنادیا۔

• • •

AsliAhleSunnet.com

کیرالا میں چند دن

جنوبی ہند کے شہر کالی کٹ میں اتحاد الشبان المجاہدین کے زیر اہتمام ۱۲ / ۱۳ مئی ۱۹۸۴ء کو منعقدہ کی جانے والی دو روزہ کانفرنس میں مجھے اور مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو جامعہ سلفیہ کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

پورے کیرالا میں اہلحدیث کو "مجاہدین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس وقت کیرالا میں جو سلفی تحریکیں کام کر رہی ہیں انھیں مندرجہ ذیل ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۱) کیرالا ندوۃ المجاہدین (۲) کیرالا جمعیۃ العلماء (۳) اتحاد الشبان المجاہدین (۴) حرکۃ الطلبۃ المجاہدین جمعیۃ العلماء اور ندوۃ المجاہدین کے زیر اہتمام نوجوانوں کے لیے اتحاد الشبان المجاہدین اور طلبہ کے لیے حرکۃ الطلبۃ المجاہدین کی تنظیم تشکیل دی گئی ہے۔

یہ دونوں تنظیمیں پورے کیرالا میں بڑے شد و مد اور خلوص کے ساتھ اسلام کی صحیح روشنی عوام و خواص میں پھیلا رہی ہیں۔ یہ دونوں تنظیمیں اپنے قیام کے بعد ہی سے پورے جوش و خروش اور مستعدی سے میدانِ تبلیغ میں سرگرم عمل ہیں اور الحمد للہ لوگوں کے دل میں ان کی دعوتِ حق کی بڑی قدر ہے، یہی وجہ ہے کہ شب و روز مجاہدین کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اس دو روزہ پروگرام میں پہلے روز یعنی ۱۲ مئی ۸۴ء کو بوقت ۲ بجے دن ایک وسیع ہال میں کنونشن کا انعقاد اے پی عبد القادر مولوی کی زیر صدارت ہوا، جس کا آغاز محمد ضمیر صاحب کی تلاوتِ پاک سے ہوا۔

کنونشن کا مقصد: اس کنونشن کا مقصد یہ تھا کہ پورے ہندوستان میں دین کی دعوت و تبلیغ متحد و منظم ہو کر کی جائے۔ دعوتِ دین اور تبلیغی کاموں کے لیے

AsliAhleSunnet.com

تمام مسلمانوں کے لیے کہ نوجوانوں کو تیار کیا جائے تاکہ وسیع پیمانہ پر ملک میں تبلیغی پروگراموں کا انتظام کیا جا سکے۔

کنونشن میں سب سے پہلے اتحاد الشبان المجاہدین کے سکریٹری کنج محمد مدنی (متخرج مدینۃ العلوم کیرالا) نے ملیالم زبان میں تعارفی کلمات پیش کیے، اس کے بعد ڈاکٹر محی الدین صاحب عمری نائب صدر جمعیۃ اہلحدیث ہند نے کنونشن کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور جناب ڈاکٹر محمد عثمان ایم بی بی ایس رئیس ندوۃ المجاہدین نے انگریزی زبان میں مقالہ پیش کیا جس میں ندوۃ المجاہدین کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور اس طرح سے پہلی نشست برخاست ہوئی۔

دوسری نشست کا قیام بوقت تین بجے مولانا محمد مہدی امیر جماعت اہلحدیث آندھرا پردیش کے زیر صدارت ہوا۔ آغاز حافظ عبدالماجد صاحب کی تلاوت پاک سے ہوا اس کے بعد علمار کرام نے کنونشن کی تجاویز کے سلسلے میں اپنی آرار کا اظہار کیا۔

سب سے پہلے جناب مولانا احسن جمیل صاحب مدنی مدرس جامعہ سلفیہ بنارس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بتلایا کہ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی عقیدے کی دعوت دی جائے اور اس کام کے لیے نوجوانان اہلحدیث کو منظم کیا جائے۔ اور اخیر میں مجاہدین کے کارنامے کو سراہتے ہوئے کنونشن کی تمام آرار سے اتفاق کیا اس کے بعد بندۂ خاکسار نے عربی میں "شباب الاسلام" کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ جس میں بتلایا گیا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ وہ دار الارقم میں محصور تھا تبلیغ دین و اشاعت اسلام کے لیے جوانوں کی ایک منظم جماعت تھی اور اس وقت بھی جبکہ اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا، اکثریت نوجوانوں کی تھی اور دور حاضر میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نوجوانان اسلام اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے میدان عمل و تبلیغ میں قدم بڑھائیں اور خالص کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی دعوت پیش کریں تاکہ جماعت ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے اور سب کے اندر اسلام کی تعلیم سیکھنے سکھانے کا جذبہ پیدا ہو۔ بعد ازاں مولانا عبدالقیوم صاحب فیضی نے نوجوانان اسلام کو اتفاق و اتحاد کی دعوت دیتے ہوئے اس موضوع پر پرمغز اور مفید تقریر کی پھر ملیالم اور تامل زبان میں کئی تقریریں ہوئیں اور اخیر میں صدر صاحب کی رہنمائی اور دعائیہ کلمات پر دوسری نشست کا اختتام ہوا۔

قرارداد: مذکورہ دو نشستوں میں جو قابل قدر تجاویز پاس ہوئیں ان پر غور و فکر کرنے اور تنظیم

AsliAhleSunnet.com

کی تشکیل کے لیے تیسری نشست جناب محی الدین عمری صاحب کے زیر صدارت ہوٹل لنگیت میں منعقد ہوئی جس میں باتفاق رائے مندرجہ ذیل قرار دادیں پاس ہوئیں ۔

(۱) امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند سے درخواست کی جائے کہ نوجوانانِ مسلک اہلحدیث کی ایک ہند گیر تنظیم قائم کرنے کی اجازت دیں تاکہ نوجوانانِ ملت میں دعوت و تبلیغ کے لیے کام کرنے کا جذبہ پیدا کیا جا سکے اور یہ کام منظم طور پر پورے ہندوستان میں جاری کیا جائے ، چنانچہ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے فی الحال مولانا احسن جمیل صاحب السلفی مدرس جامعہ سلفیہ کو کنوینر اور جناب حافظ عبدالماجد صاحب پرنام بٹ کو جوائنٹ کنوینر باتفاق رائے مقرر کیا گیا ۔

(۲) مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند سے درخواست کی جاتی ہے کہ نوجوانان اہلحدیث کا ایک آل انڈیا کنونشن طلب کرنے کی اجازت دیں جس میں ہر صوبہ میں ۲۰ سے ۲۵ کے درمیان نمائندگان شرکت کریں جو صوبہ کی ہر ضلعی جمعیت کی نمائندگی کریں ۔ نامزد کردہ نمائندگان کی رہنمائی صوبائی جمعیت اہلحدیث کے امیر یا ناظم کریں ۔

(۳) یہ کنونشن اواخر ستمبر یا اوائل اکتوبر میں طلب کیا جائے

(۴) کنونشن کم از کم دو روزہ ہو ۔

(۵) کنونشن جس مقام پر طلب کیا جائے وہاں کی صوبائی جمعیت اس کے انتظام اور ضیافت کی ذمہ دار ہوگی ۔

(۶) کنونشن میں شرکت کرنے والے وفود کے سفر خرچ کی ذمہ داری صوبائی اور ضلعی جمعیتوں پر ہوگی ۔

اجلاسِ عام : دوسرے روز ۱۳ / مئی ۱۹۸۲ء کو اجلاسِ عام بوقت ۵ بجے شام کارپوریشن کے میدان میں زیر صدارت جناب پی زیڈ مولوی رئیس جمعیۃ العلماء کیرالا منعقد ہوا ۔ اجلاس کا آغاز قاری محمد سالم صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا ۔ سامعین کی اتنی کثرت تھی کہ ہر طرف ہجوم ہی ہجوم نظر آرہا تھا ۔ اندازے کے مطابق تقریباً پچاس ہزار یا کچھ کم و بیش لوگ موجود تھے ۔ لیکن ہجوم کے باوجود مجمع پر مکمل سکوت طاری تھا اور سامعین غور سے مقررین کی تقریر سماعت فرما رہے تھے ۔ نظم و نسق انتہائی قابل تحسین تھا ۔

تلاوتِ پاک کے بعد کے پی محمد بن احمد امین عام ندوۃ المجاہدین نے افتتاحی تقریر کی ۔ بعد ازاں (ابو سیٹھ کوچین)

AsliAhleSunnet.com

نے اپنا مقالہ پیش کیا اور ڈاکٹر محمد عثمان ایم بی بی ایس نے مجمع کو خطاب کیا اور مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ نمازِ مغرب ٹی ٹی کے محی الدین عمری صاحب کی امامت میں میدان میں ادا کی گئی۔ بعد نمازِ مغرب یہ سلسلہ دوبارہ حافظ عبدالماجد صاحب کی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا اور مندرجہ ذیل علمائے کرام نے مختلف موضوع پر مجمع سے خطاب کیا۔

(۱) مولانا احسن جمیل صاحب مدنی مدرس جامعہ سلفیہ بنارس۔ (۲) مولانا عبدالحمید صاحب مدنی (متخرج مدینۃ العلوم کیرالا) (۳) مولانا شاہ الحمید صاحب (۴) مولانا محمد سلمی صاحب (متخرج مسلم العلوم کیرالا۔) (۵) مولانا اے پی عبدالقادر مولوی۔

دس بجے کے بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد دعائیہ کلمات پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

کانفرنس ختم ہونے کے بعد ہم لوگ مزید دو روز ٹھہر گئے، مقصد یہ تھا کہ

مزید قیام کا مقصد: مجاہدین کی سرگرمی اور ان کی کارکردگی کا جائزہ لیں، چنانچہ اس کے لیے ہم لوگوں کو ٹی ٹی کے محی الدین عمری صاحب اور کچھ نوجوانوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ "کالی کٹ" کے اطراف وجوانب کا دورہ کرایا۔ دورے کے درمیان بہت سے کلیات ومدارس اور یتیم خانے دیکھنے میں آئے۔ یہاں پر چند اہم کلیات ومدارس اور یتیم خانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مدینۃ العلوم عربی کالج (۲) سلم السلام عربی کالج، (۳) روضۃ العلوم عربی کالج، (۴) پی او فاروق کالج (۵) جامعہ ندویہ اڈوتا (۶) انوار الاسلام عربی کالج (۷) کے ایم ایم او عربی کالج (۸) انصار عربی کالج (۹) بستان العلوم کالج۔ (۱۰) مجاہدین عربی کالج۔

یتیم خانے کئی ایک دیکھنے میں آئے لیکن ہم یہاں پر صرف سب سے اہم یتیم خانہ، ترورنگاڈی یتیم خانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

ترورنگاڈی کا یہ یتیم خانہ جس کو ترورنگاڈی مسلم آر فینج کمیٹی چلا رہی ہے اور جو سعود آباد میں واقع ہے دیکھنے کا موقع ملا اور اس کے دار السلام نامی دار الاقامہ کا بھی معائنہ کیا گیا۔ الحمد للہ یتیم خانہ میں ۵۰۔ لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بچیوں کے لیے چار سلائی مشینیں ہیں اور بچوں کے لیے مختلف زبانوں میں گیارہ ٹائپ رائٹر۔ علاوہ ازیں اور بھی دوسرے ہنر سکھائے

AsliAhleSunnet.com

جاتے ہیں۔ ان یتیم بچوں کے لیے ایک ڈسپنسری ہے جس میں ہر قسم کی دوائیں موجود ہیں اور ایک تجربہ کار حکیم صاحب کی خدمات حاصل ہیں۔

ٹی کے محی الدین صاحب عمری سے ایک انٹرویو:

نائب صدر جمعیۃ اہلحدیث ستودہ صفات، خوش اخلاق، اور وجیہ شخصیت کے مالک ہیں۔ ملنساری آپ کی طبیعت ثانیہ ہے اسی لیے آپ چھوٹے بڑے سب کی نگاہ میں ہردلعزیز ہیں۔ مولانا محترم کا انٹرویو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سوال: مولانا! مجاہدین کے کتنے ممبر ہیں؟

جواب: عمری صاحب: مجاہدین کے ۱۵۰۰ ہزار ممبر ہیں۔

سوال: نوجوانانِ مجاہدین کس طرح تبلیغ کرتے ہیں اور ان کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟

ج: مجاہدین کے نوجوان دن میں روزی کماتے ہیں اور رات کو راہِ خدا میں نکل پڑتے ہیں تاکہ خدمتِ خلق اور تبلیغ کا فریضہ انجام دیں، خصوصاً موسم گرما میں یہ تبلیغی پروگرام بڑے اوج پر ہوتا ہے اور سارے نوجوان بڑی مستعدی اور جانفشانی سے یہ فریضہ انجام دیتے ہیں، یہاں تک کہ ہفتہ کے چھ روز تبلیغ میں گزار دیتے ہیں اور ایک روز گھر پر قیام کرتے ہیں۔

س: کیرالا میں ہر رات مجاہدین کا کتنا تبلیغی پروگرام ہوتا ہے؟

ج: پورے کیرالا میں ہر رات مجاہدین کا تقریباً دس تبلیغی پروگرام ہوتا ہے

س: شہر کالی کٹ میں مجاہدین کی کتنی مسجدیں ہیں؟

ج: کالی کٹ میں مجاہدین کی تقریباً بیس مسجدیں ہیں۔

س: تمام مساجد میں ایک موضوع پر خطبہ ہوتا ہے یا مختلف موضوع پر؟

ج تمام مساجد میں ایک موضوع پر خطبہ ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام مساجد کے خطباء جمعہ کی رات کو مرکز میں اکٹھا ہوتے ہیں اور کسی ایک موضوع کے چند نکات پر اتفاق کر کے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

س: خطیب جمعہ کس کی جانب سے مقرر ہوتا ہے؟

(باقی ص ۷۲ پر)

AsliAhleSunnet.com

ہماری نظر میں

ایام خلافت راشدہ

تالیف مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری — قیمت ۳۰ روپئے، صفحات ۴۸۰

ملنے کا پتہ: (مولانا جھنڈانگری سے) جامعہ سراج العلوم پوسٹ بڑھنی بازار، ضلع بستی (یوپی)

مولانا جھنڈانگری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ مضمون و مقاصد کو واقعات کے ذریعہ بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، زیر تبصرہ کتاب مولانا کی اسی مہارت کا ایک نمونہ ہے۔ واقعات کی زبان سے خلافت راشدہ کے عہد کے سماجی و معاشی عدل و انصاف ترفہ و خوشحالی اور امن و امان کی جو ایمان افروز تصویر آپ نے پیش کی ہے وہ مسلمانوں کے لیے اسوۂ دعوت و عمل اور آئین اقبال و سعادت ہے اور باقی انسانوں کے لیے پیغام حیات اور راہ نجات۔ اللہ مؤلف کی کوششوں کو بارآور اور مفید بنائے۔ آمین۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ

تالیف: مولانا عبدالرؤف رحمانی، جھنڈانگری — قیمت درج نہیں، صفحات ۲۰، پتہ سابق

دنیا میں کچھ ایسے خام عقل بھی ہوتے رہے ہیں، جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ مولانا نے اس کتاب میں الحمد کے نقطۂ نظر کا ابطال کیا ہے اور مختلف پیرایوں سے اللہ کا وجود ثابت کیا ہے اس سلسلے میں موصوف نے قرآن سے بھی مدد لی ہے، ائمۂ اسلام سے بھی، سائنسدانوں سے بھی، دنیا کے مشہور غیر مسلم دانشوروں سے بھی اور کچھ غیر مشہور لوگوں سے بھی۔ کتاب اپنے موضوع پر مفید اور دلچسپ ہے۔

بقیہ: مُردے کی طرف سے قربانی

نیا دیہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز کا حکم لگایا ہے (شرح السنۃ ۴/ ۳۵۸) اور امام ابن تیمیہ نے اگرچہ اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے لیکن میت کی طرف سے قربانی کے جواز کا فتویٰ انھوں نے بھی دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "وتجوز الاضحیۃ عن المیت کما یجوز الحج عنہ والصدقۃ عنہ" (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۲۶/ ص ۳۰۶) یعنی میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے جس طرح اس کی طرف سے حج اور صدقہ کرنا جائز ہے۔

•••

AsliAhleSunnet.com

نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے:

تحریر: ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ترتیب محمد عنایت اللہ ندوی

پتہ: ادارہ تحریک اسلامی $\frac{11\text{-}3}{926/4}$ نزد تاج محل ٹاکیز ملے پلی حیدرآباد

اس کتابچے میں یہ بتاتے ہوئے کہ شرک سے دامن کشی کے بغیر نجات نہیں مختصراً مسلمانوں میں پھیلے ہوئے انواع واقسام کے شرک کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً اللہ کی ذات میں شرک، اللہ کی صفات علم، تصرف، قدرت واختیار، دعاء پکار میں شرک، مالی وبدنی عبادت میں شرک اور وسیلہ کا شرک وغیرہ، عقیدے کی درستگی کے لئے یہ کتابچہ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہئے۔ مذکورہ پتے سے بلا قیمت طلب کیا جا سکتا ہے۔

حاجی محمد یعقوب صاحب:

جامعہ سلفیہ بنارس کے قدیمی ہمدرد اور حضرت مولانا قمر صاحب مبارکپوری کے والد محترم حاجی محمد یعقوب صاحب ۱۸/جولائی بدھ کی سہ پہر کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی نے نماز جنازہ پڑھائی مرحوم نے کافی عمر پائی، اور آخری ایام میں قدرے طویل معذوری کے باوجود ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رہے۔ آپ دینی امور میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا کرتے تھے۔ ناظرین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حاجی عبد الحفیظ ناظم مدرسہ دار التعلیم، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ

درخواست دعاء:

متحدہ عرب امارات کی مرکزی جماعت اہلحدیث کے ناظم اعلی اورام القیوین کورٹ کے ترجمان جناب محمد منیر صاحب سیالکوٹی نے اطلاع دی ہے کہ انکے والد صاحب پاکستان میں عارضہ قلب سے دوچار ہیں۔ ناظرین محدث شفائے کامل وعاجل کیلئے دعا فرمائیں۔

معذرت۔ ماہ اگست کا محدث وقت پر چھپ کر تیار ہونے کے باوجود بائنڈر کے گھر اچانک حادثے کے سبب غیر معمولی تاخیر سے جا سکا۔ ادارہ معذرت خواہ ہے۔

AsliAhleSunnet.com

Reg. No. R. N. 40352/81

September **MOHADDIS** 1984

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

ہماری اردو مطبوعات

(۱) قادیانیت اپنے آئینہ میں	Rs. 16/00
(۲) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری	Rs. 16/00
(۳) تاریخ ادب عربی (حصہ اول)	Rs 10/00
(۴) " " (حصہ دوم)	Rs. 15/00
(۵) وسیلة النجاة	Rs. 7/50
(۶) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (جلد اول)	Rs. 28/00
(۷) " " " " (جلد دوم)	Rs. 28/00
(۸) رسالت کے سایے میں	Rs. 15/00
(۹) کتاب الکبائر	Rs. 27/00
(۱۰) رمضان المبارک کے فضائل واحکام	Rs. 3/00
(۱۱) اتباع سنت اور تقلید	Rs. 12/00
(۱۲) قیاس ایک تقابلی مطالعہ	Rs. 10/00
(۱۳) رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف	Rs. 1/25
(۱۴) جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات	Rs. 9/00
(۱۵) جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات	Rs. 11/00
(۱۶) قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام	Rs. 15/00
(۱۷) تقلید اور عمل بالحدیث	Rs. 8/50
(۱۸) خاتون اسلام	Rs. 9/00

مکتبہ سلفیہ . ریوری تالاب ، بنارس

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

AsliAhleSunnet.com